فکر و نظر

# اندر کے دشمن

ہمیں اس چیز سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کہ کوئی بیرونی دشمن ہم پر حملہ کر کے خدانخواستہ ملک پر قبضہ کرلے گا اوراس کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا بلکہ اس پر متنبہ ہونے کی ضرورت ہے کہ عیار دشمن نے ہمیں تباہ کرنے کے جتنے 'پُر امن' منصوبے بنائے ہیں، ہمارے اندر کے بہت سے عناصران پر زور وشور سے عمل کررہے ہیں اورانہیں اس امر کا احساس بھی نہیں مثلاً:

**تعلیم** میں ذریعۂ تعلیم انگریزی کو بنا دیا گیا ہے یہاں تک کہ تین چار سال کے پاکستانی بچوں کو بھی انگریزی پڑھائی جارہی ہے۔تربیت اساتذہ، نصاب، تربیت طلبہ، سکولوں کے ماحول سب کو مغرب زدہ بنادیا گیا ہے۔

**قانون:** وکیلوں اور ججوں کو اسلامی قانون کی بجائے انگریزی قانون پڑھایا جاتا ہے۔وہ اسی کی پریکٹس کرتے ہیں اوراسی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔

**سیاست**: سیاسی اورانتخابی نظام ایسا بنایا گیا ہے کہ کوئی غریب اوراسلام پسند شخص کامیاب ہوہی نہیں سکتا بلکہ صرف جاگیردار، سرمایہ دار اور ملک کی ایلیٹ کلاس کے لوگ ہی سیاست میں آکر کامیاب ہوسکتے ہیں۔

**معیشت:** بیرونی قرضے لے کر اپنی جیبیں بھرو، مقامی وسائل ضائع کرو، اپنی دولت بیرون ملک رکھواور غریبوں پر ٹیکس لگاؤ۔

**فوج** کو اپنے لوگوں سے لڑنے اوراپنے علاقے فتح کرنے پر لگادیا گیا ہے۔

**علماء:** دینی سیاسی جماعتیں نشستوں کے لیے باہم لڑتی ہیں۔علماء ایک دوسرے کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں اورصرف اپنے مسلک کو صحیح دین سمجھتے ہیں۔

**بیوروکریسی:** کے امتحان انگریزی میں ہوتے ہیں، ان کی تربیت انگریزی ماحول میں ہوتی ہے لہٰذا انہیں نہ عوام کی مشکلات کا احساس ہوتا ہے اور نہ عوامی مسائل حل کرنے کا جذبہ ان میں پایا جاتا ہے۔

**پولیس:** آج بھی خود کو حکمرانوں کا ملازم سمجھتی ہے جس کا کام مجرموں سے گٹھ جوڑ کر کے

حالات قابو میں رکھنا ہے۔ رہے عوام تو وہ کالانعام ہیں یعنی جانور جن کی کوئی اہمیت نہیں۔

**میڈیا:** نے قوم کو ناچنے گانے اور فحاشی وعریانی پر لگا دیا ہے تاکہ اسلامی اور اخلاقی اقدار ختم ہو جائیں۔

ان حالات میں جب ہماری سوسائٹی کے اہم عناصر خود اپنے نظریاتی وفکری وجود کی نفی کر رہے ہیں، وہ خود اپنے معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں اور اس سب کے نتیجے میں معاشرہ تباہی کی طرف جا رہا ہے تو دشمن کو باہر سے حملہ کر کے اسے تباہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اندر کے دوست ہی اس مقصد کے لیے کافی نہیں؟

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آن آشنا کرد

اور اگر فارسی کا ذوق نہ ہو تو ؎

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
تو اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی


## شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔ اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔ خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے۔

زرِاعانت سالانہ 400 روپے تاحیات 5000 روپے

نام..... پتہ.....

.....فون.....

چیک اور منی آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ 136 نیلم بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور بھجوایئے

**ٹرسٹ کو دیے جانے والے عطیات ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں**

تعلیم و تربیت

دینی مدارس اور عوام متنبہ رهیں

# او/اے لیول کی تدریس غیر آئینی اور غیر اسلامی ہے

پچھلے دنوں جب حکومت اور دینی مدارس کی متحدہ تنظیموں کے درمیان مذاکرات ہوئے تو دینی حلقوں میں سے کسی نے مدافعانہ انداز میں کہا کہ دینی مدارس تو عصری تعلیم بھی دیتے ہیں یہاں تک کہ او اور اے لیول کی بھی تعلیم دیتے ہیں...... ہمارے نزدیک یہ سادہ لوحی ہے کیونکہ مغرب پرستی اور اے لیول کی تعلیم مغرب کی غلامی کی ایک بھونڈی شکل ہے لہٰذا علماء کرام کو اس پر متنبہ رہنا چاہیے۔

او/اے لیول کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے ہمارے بچے کافروں کا نصاب پڑھیں گے، ان کا امتحان دیں گے، ان کو امتحان کی فیس پونڈوں میں ادا کریں گے اور ان کی ڈگری لیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے میٹرک، ایف اے میں کون سے کیڑے پڑ گئے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو او/اے لیول کرائیں۔ اس کا ایک ہی جواب دیا جاتا ہے کہ ہمارے امتحانوں کا کوئی معیار نہیں رہا اس لیے ہم بیرونی ممالک کے امتحان دلواتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے امتحانوں کا کوئی معیار نہیں رہا اس لیے ہم بیرونی ممالک کے امتحان دلواتے ہیں۔ یہ محض عذر لنگ ہے۔ اول تو اگر معیار نہیں رہا تو اس معیار کو بلند کیا جائے۔ آخر یہ معیار کس نے بلند کرنا ہے؟ اور معیار گرنے کا سبب کیا ہے؟ اس معیار کو گرانے کے ذمہ دار ہم خود ہی تو ہیں۔ تو کیا اس معیار کو بہتر بنانے کی جدوجہد کرنے کی بجائے ہم اسے ترک کر دیں گے؟ تو کس کس چیز کو ترک کریں گے؟ دینی مدارس کا معیار بھی پہلے سے گر گیا ہے تو کیا مدارس بند کر دیے جائیں؟ ملک کا معیار گر گیا ہے تو کیا ہم ملک چھوڑ کر چلے جائیں؟

پھر ہمارے اسلاف نے انگریز اور یورپ کے خلاف طویل جدوجہد کی ہے۔ ان کے مظالم برداشت کیے ہیں۔ انگریز نے اوقاف اور مدارس بند کیے ہیں......تو کیا ہم اپنے مدارس میں ان کا نصاب پڑھائیں، ان کی زبان اور ان کی تہذیب کو فروغ دیں؟ یہ کیا حماقت کی باتیں ہیں۔ دینی

مدارس کس منہ سے انگریزی میڈیم سکول کھول سکتے ہیں اور انگریزی ذریعۂ تعلیم والے کفار کے امتحان کے لیے اپنے مدارس کے دروازے کھول سکتے ہیں؟

اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ کہ پاکستان کے نظام تعلیم سے ثنویت ختم کی جائے اور دینی ودنیاوی تعلیم کے الگ الگ دھاروں کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ دینی مضامین جدید تعلیم کا مؤثر حصہ ہوں اور دینی تعلیم جدید علوم کے تصورات سے محروم نہ ہو۔ دونوں طرف کی ڈگریاں حکومت کی طرف سے تسلیم شدہ ہوں تاکہ دینی ودنیاوی کی یہ تقسیم ختم ہو اور یکساں نظام تعلیم سے ملک اور معاشرے میں ہم آہنگی پیدا ہو۔لیکن اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاتا اور نہ کوئی اس کا مطالبہ کرتا ہے۔اور نہ حکمرانوں کو یہ بات پسند ہے کیونکہ اس طرح جدید تعلیم کا مزاج دینی بنانا پڑے گا جو ہماری مغرب زدہ سول اور فوجی بیوروکریسی اور حکمرانوں کو منظور نہیں۔

لہٰذا اگر حکومت یہ کام نہیں کرتی تو علماء کو آگے بڑھ کر خود اس کا علم اٹھانا چاہیے اور جدید تعلیم کو بھی اسلام کے مطابق ڈھالنے کی جدوجہد کرنی چاہیے کیونکہ صرف دینی مدارس کے بچوں کی اسلامی تربیت ہی ان کی ذمہ داری نہیں بلکہ ساری قوم کے مسلمان بچوں کی دینی تربیت ان کی ذمہ داری ہے اور موجودہ حالات میں وہ عصری تعلیم کے بچوں کی دینی تربیت کے لیے کچھ نہیں کر رہے لہٰذا علمائے کرام کو نہ صرف دینی مدارس کی تعلیم کا معیار بہتر بنانا چاہیے بلکہ عصری تعلیم کو بھی اسلام کے مطابق ڈھالنے کی کوششیں کرنی چاہئیں تاکہ یہ معاشرہ دین سے دور نہ ہو اور مغربی فکر وتہذیب کی آماجگاہ نہ بن جائے بلکہ یہ اسلامی اصول واقدار کا پاسبان بن جائے تاکہ پاکستان اسلام کا قلعہ بن سکے۔

اگر دنیا میں صرف سکون ہوتا تو لوگ اللہ کو بھول جاتے
سکون تو صرف ان لوگوں کے پاس ہے جو اللہ کی رضا کو اپنی رضا سمجھتے ہیں

تعلیم وتربیت مدیر

# اردو: عدالت عظمیٰ کا ناقص اور ادھورا فیصلہ

## ایک افسوسناک فیصلہ جس نے اردو کو ذریعۂ تعلیم اور ذریعہ امتحان بنانے کی تائید نہیں کی

اردو کے حق میں جو فیصلہ عدالت عظمیٰ نے ۸ ستمبر ۲۰۱۵ء کو سنایا ہے وہ اس لحاظ سے خوش آئند ہے کہ معزز عدالت نے حکومت کو حکم دیا ہے کہ وہ آئین کی پاسداری کرتے ہوئے ملک میں اردو کو بحیثیت قومی زبان نافذ کرے۔ اس سلسلے میں اگرچہ قوانین کا اردو ترجمہ، اردو کو سرکاری اور دفتری زبان بنانا اور صدر اور وزیراعظم کا اردو میں خطاب وغیرہ بھی اس فیصلے کے خوشگوار پہلو ہیں لیکن ملک اور معاشرے کو انگریزی بلکہ مغربی فکر وتہذیب کے غلبے سے نکالنے اور اسے صحیح اسلامی ونظریاتی رخ پر ڈھالنے کے لیے دو امور ناگزیر تھے اور ہم انہی کی طرف شروع سے عدالت کو توجہ دلا رہے تھے۔ ایک اردو کو سکولوں میں ذریعۂ تعلیم بنانا اور دوسرے مقابلے کے امتحانات اردو میں منعقد کرانا..... اور ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عدالت نے انہی دونوں اہم امور کو تشنہ چھوڑ دیا ہے۔ سکولوں میں اردو کے بطور ذریعۂ تعلیم نفاذ کا تو فیصلے میں کوئی ذکر نہیں اور مقابلے کے امتحانات کے بارے میں بھی یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ انگریزی کے ساتھ طلبہ اردو میں بھی امتحان دے سکیں گے جب کہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ سکولوں میں ذریعہ تعلیم صرف اردو ہونا چاہیے اور اسی طرح مقابلے کے امتحانات کی زبان بھی صرف اردو ہونی چاہیے۔ صرف اس فیصلے سے ہی مغربیت کے خاتمے کی راہ ہموار ہو سکتی تھی اور افسوسناک امر یہ ہے کہ عدالت نے اسی بات کے حق میں فیصلہ نہیں دیا۔ اب اسلام اور محبّ وطن قوتوں کو چاہیے کہ وہ ریویو پٹیشن میں جائیں اور عدالت سے ان امور کے حق میں فیصلہ لینے کی کوشش کریں۔

اردو کی حامی قوتوں کو چاہیے کہ وہ ملک میں ایسی فضا قائم کریں کہ حکومت عدالت عظمیٰ کے اس فیصلے کو سرد خانے میں نہ ڈال سکے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ اس ملک میں کاغذی حد تک بہت سے اسلامی قوانین موجود ہیں مثلاً حدود وقوانین لیکن ان پر کوئی عمل نہیں ہوتا کیونکہ حکمران طبقہ، سیاستدان، سول اور فوجی بیوروکریسی، وکیل، عدلیہ، پولیس۔۔۔ غرض کوئی ادارہ بھی اخلاص نیت کے ساتھ ان اسلامی قوانین پر عمل درآمد کے لیے تیار نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان قوانین کے وہ اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے جو ہونے چاہئیں۔ اسی طرح عدالت عظمیٰ نے اردو کے حق میں کچھ فیصلے کر تو دیے ہیں اب عوامی قوت کا کام یہ ہونا چاہیے کہ حکومت سے اس فیصلے پر عمل کرائے ورنہ اس امر کا امکان غالب ہے کہ یہ فیصلہ کاغذ پر لکھا رہ جائے اور ماضی کی طرح ہر معاملے میں انگریزی ہی کا غلبہ رہے اور اردو کا کوئی پرسان حال نہ ہو۔

تعلیم وتربیت مدیر

# اعلیٰ عدالتوں کے خلافِ اسلام رجحانات

## دینی جماعتیں، دینی مدارس اور دینی ادارے اپنی ذمہ داری کب محسوس کریں گے؟

ایک مجلس میں احباب عدالتوں اور وکیلوں کے طرزِ عمل کی بات کر رہے تھے۔ایک صاحب نے عدالتوں کے خلافِ اسلام طرزِ عمل پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ حال ہی میں عدالت عظمیٰ کے گیارہ ججوں نے پارلیمنٹ کی آئینی ترامیم کے حق میں جو فیصلہ دیا ہے اس میں آئین کے اسلامی ڈھانچے کو تحفظ نہیں دیا۔اس سے پہلے عدالت عظمیٰ قرارداد مقاصد کے دیگر آئینی شقوں پر حاوی ہونے کے خلاف فیصلہ دے چکی ہے اور تازہ فیصلہ جو اردو کیس میں آیا ہے، وہ بظاہر اردو کے حق میں ہے لیکن دو فیصلہ کن اقدامات کے بارے میں عدالت نے منفی طرزِ عمل اختیار کیا ہے اور سکولوں میں ذریعۂ تعلیم اور مقابلے کے امتحانات میں ذریعۂ اظہار انگریزی کی بجائے اردو کو بنانے کے حق میں فیصلہ نہیں دیا۔ دوسرے صاحب نے منیر انکوائری رپورٹ کے اسلام مخالف رجحان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ عدالتیں آمروں کے حق میں ہی بے دریغ فیصلے کرتی رہی ہیں۔ تیسرے صاحب بولے کہ ہماری عدالتیں بھی مصر جیسا رویہ اختیار کر رہی ہیں جنہوں نے اسلامی اور جمہوری حکومت کا ساتھ دینے کی بجائے مغربی حمایت یافتہ آمر کا ساتھ دیا۔

ہم نے ان اصحاب کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ ہمارے معاشرے میں ججوں اور وکلاء کی تعلیم وتربیت کا کیا انتظام ہے؟ وہ دینی لوگ جو عدالتوں اور ججوں کے اسلام مخالف رجحانات کے بارے میں تشویش کا اظہار کرتے ہیں وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ انہوں نے قانون کی تعلیم کو اسلام کے مطابق بنانے کے لیے کیا کوشش کی ہے؟ کیا انہیں نہیں پتا کہ ہمارے لاء کالجوں میں مغربی قانون کی تعلیم دی جاتی ہے۔اسلامی قانون کا ایک برائے نام پرچہ ہے جس میں اسلامی قانون کی بنیادی اصطلاحات وغیرہ کا تعارف کرا دیا جاتا ہے اور بس۔سوال یہ ہے کہ وکیلوں اور ججوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کس کی ذمہ داری ہے؟

کیا دینی مدارس میں بدایہ کے چند ابواب پڑھا دینے سے طلبہ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ عصر

حاضر کے نظام قانون میں کوئی کردار ادا کرسکیں؟ علماء نے ججوں اور وکیلوں کو قانون شریعت پڑھانے کا کیا انتظام کیا ہے؟ انہوں نے کتنے لاء کالج کھولے ہیں جن میں مغربی قانون کے ساتھ شرعی قانون کی بھی تفصیلی تعلیم دی جاتی ہو اوران کالجوں میں انہوں نے قانون کے طلبہ کی اسلامی واخلاقی تربیت کے لیے کیا اہتمام کیا ہے؟

ظاہر ہے محض خواہشوں، خوابوں اور مطالبوں سے تو تبدیلی نہیں آتی۔ لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو فتح کرنے کے لیے اورانہیں اسلام اوراسلامی علوم واقدار کی طرف مائل کرنے کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور یہ محنت کرنے والا میدان میں کوئی موجود نہیں.....تو ہمیں دوسروں سے گلہ نہیں کرنا چاہیے، صرف اپنے آپ سے گلہ کرنا چاہیے کیونکہ ہم دین کے علم بردار ہی اس صورت حال کے ذمہ دار ہیں اور وکیلوں اور ججوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کے لیے ہم نے کوئی محنت آج تک نہیں کی اور نہ آئندہ ایسا کرنے کے لیے کوئی منصوبہ ہم رکھتے ہیں تو پھر اس کے برے نتائج تو ہمیں بھگتنا پڑیں گے اوران سے ہم بچ نہیں سکتے۔

اب بھی وقت ہے کہ علمائے کرام، دینی جماعتیں اورادارے اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور ابتداء سے لے کر اعلیٰ سطح تک کے اور پیشہ ورانہ تعلیم کے ایسے ادارے قائم کریں جن میں بچوں کی نہ صرف اسلامی تربیت کی جاتی ہو بلکہ انہیں وحدت تعلیم کی بنیاد پر دینی اور جدید علوم دونوں پڑھائے جاتے ہوں تاکہ ایک متوازن شخصیت تیار ہو جو دین اور دنیا دونوں میں کامیاب ہو اور بحیثیت ایک مسلمان اور پاکستانی اپنا مثبت کردار ادا کرسکے۔

سکندرِاعظم سے کسی نے پوچھا: اتنی چھوٹی سی زندگی میں اتنی بڑی دنیا کو کیسے فتح کیا؟
سکندر نے جواب دیا: دو کاموں سے: ۱۔ دشمنوں کو اتنا مجبور کیا کہ وہ دوست بن گئے۔
۲- دوستوں کو کبھی نہیں چھوڑا کہ وہ دشمن بن جائیں۔

**تعلیم وتربیت**

'تعلیم اور اس کا اسلامی کردار'

# سہ روزہ تعلیمی ورکشاپ اسلام آباد کا اعلامیہ

منعقدہ ۱۸تا۲۰ستمبر۲۰۱۵ء

## تحریک

اصلاح تعلیم کے کام کو ایک مؤثر تحریک بنانے کی کوشش کی جائے۔ یاد رہے کہ یہ ایک غیر سیاسی کام ہے لہٰذا دینی یا سیاسی اختلافات یا مسالک، جماعتوں اور تنظیموں کی سطح سے بالاتر رہتے ہوئے کیا جائے۔

## اصول

۱۔ تعلیم اسلامی تناظر کا فروغ مثلاً

الف: تعلیم وتزکیہ کو کار انبیاء اور دعوت واصلاح کا ذریعہ سمجھ کر اسے بنیادی ترین اہمیت دینا۔

ب: وحدت تعلیم کا تصور اپنانا اور ثنویت کا خاتمہ

ج: دین کے مکمل ومتوازن تصور کی تفہیم یعنی اسے انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں میں اپنانا

د: تعلیم کے سارے اجزاء کی اسلامی تشکیلِ نو کرنا اور اردو کو ذریعہ تعلیم بنانا

۲۔ تعلیم میں مغربی تہذیب کے اصولوں کا رد مثلاً

الف: تعلیم کو مال تجارت سمجھنا

ب: مخلوط تعلیم

ج: انگریزی ذریعۂ تعلیم

د: تعلیم کے سارے اجزاء میں مغربی تہذیب کے اصولوں کی پیروی کرنا

## لائحہ عمل وطریق کار

### سکول لیول

۱۔ مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق نئے ماڈل سکولوں کا قیام

۲۔ موجودہ سکولوں میں سے ہم خیال لوگوں کو ساتھ ملانا

دونوں طرح کے سکولوں کی نیٹ ورکنگ اور برانڈنگ

۳۔ تعلیم کے سارے اجزاء (سکول انتظامیہ، اساتذہ، نصاب، تربیت طلبہ، ماحول، ہم نصابی سرگرمیوں.....کی اسلامی تناظر میں اصلاح اور تشکیلِ نو کرنا اور ان کا نئے اور الحاقی سکولوں میں نفاذ واطلاق۔

۴۔سکول کی تعلیم کو دینی مقاصد کے لیے منظّم کرنے کی خاطر اپنے امتحانی بورڈ کا قیام

### اعلیٰ تعلیم

۱۔ ماڈل یونیورسٹی کا قیام

۲۔ علوم خصوصاً عمرانی علوم کی اسلامی تشکیل نو اور اس لوازمے کی کالجوں اور یونیورسٹیوں کو فراہمی

۳۔ سکول سطح پر اجزائے تعلیم کی اسلامی تشکیلِ نو میں رہنمائی اور نگرانی

۴۔ اسلامی تناظر میں اعلیٰ درجے کی تحقیق کے کلچر کا فروغ

---

ہماری تخلیق کا مقصد ایک باعلم، باعمل، بااخلاق، بااخلاص، اللہ کے فرماں بردار کو تلاش کرنا نہیں، اپنی ذات میں یہ صفات پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

بطورِ انسان پیدا ہونا ہمارا اپنا انتخاب نہیں بلکہ قدرت کی عطا ہے لیکن اپنے اندر انسانیت کو زندہ رکھنا ہمارا اپنا انتخاب ہے۔ ڈاکٹر انوار بگوی

تعلیم و تربیت

پروفیسر ملک محمد حسین

# تعلیم پر الہ آباد ہائی کورٹ کا مستحسن فیصلہ

## کاش پاکستان کی کوئی ہائی کورٹ بھی ایسا فیصلہ کرے!

پبلک سیکٹر اور پرائیویٹ سیکٹر کے تعلیمی اداروں کی بحث پاکستان اور بھارت میں جاری رہتی ہے۔شعبۂ تعلیم میں جوں جوں کمرشلزم بڑھ رہی ہے توں توں پرائیویٹ سیکٹر کے تعلیمی اداروں کی یلغار میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور پبلک سیکٹر یعنی سرکاری سکولز اور کالجز پسپائی کا شکار ہیں۔مختلف تعلیمی کلچر کے باوجود بھارت اور پاکستان میں تعلیم کے مسائل بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں۔اگرچہ پاکستان میں اب پرائیویٹ تعلیمی اداروں کا اثر ورسوخ اور ذہانت کو قبضے میں لینے کے اُن کے اقدامات زیادہ برہنہ بلکہ ظالمانہ ہو چکے ہیں۔ہم ایک عرصے سے سرکاری تعلیمی اداروں کی زبوں حالی کا رونا رو رہے ہیں لیکن ہماری حکومتیں سطحی اقدامات اور نعرہ بازی کے سوا کبھی سنجیدہ اقدامات پر تیار نہیں ہوئیں۔حکومت کے اخلاص اور سنجیدگی کا سب سے بڑا انڈیکٹر تعلیم کے لئے مختص کیا جانے والا بجٹ ہے جو اب بھی جی ڈی پی کے 2 فیصد سے نہیں بڑھا۔ہم پاکستان میں یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ اگر سرکاری تعلیمی شعبہ کو واقعی بہتر بنانا ہے تو ایک قانون کے ذریعے ان تمام لوگوں کو جو بلا واسطہ یا بالواسطہ حکومت کے خزانے سے فائدہ اٹھاتے ہیں مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے بچوں کو سرکاری تعلیمی اداروں میں داخل کرائیں۔جب ایم پی اے، ایم این اے، ڈی سی، کمشنر، ای ڈی اوز، سیکرٹری صاحبان حتیٰ کہ پٹواری سے چیف سیکرٹری تک اور لوکل کونسلر سے وزیراعظم تک سب کے بچے سرکاری تعلیمی اداروں میں داخل ہوں گے تو دیکھتے ہی دیکھتے وسائل کا رُخ سرکاری تعلیمی شعبے کی طرف ہو جائے گا اور بغیر کسی مطالبے کے تعلیم کے لئے مختص بجٹ جی ڈی پی کے 10,8 فیصد تک خود بخود پہنچ جائے گا۔اس تجویز اور مطالبے کو لوگ مذاق کا نشانہ بنا کر عدم توجہ کا شکار کرتے رہے ہیں۔

پڑوسی ملک بھارت کے صوبہ اتر پردیش میں ایک ٹیچر شوکمار نے الہ باد ہائی کورٹ میں پٹیشن دائر کی کہ تمام وہ لوگ جو سرکاری خزانے سے بالواسطہ یا بلا واسطہ فائدہ اُٹھاتے ہیں انہیں حکم دیا جائے کہ وہ اپنے بچے سرکاری تعلیمی اداروں میں پڑھائیں تا کہ سرکاری لوگ اپنے بچوں کی اچھی تعلیم کا خاطر سرکاری تعلیمی اداروں کی طرف توجہ کریں اور بہتر سہولتیں مہیا کریں۔(باقی صفحہ ۳۳ پر)

تعلیم و تربیت　　پروفیسر ملک محمد حسین

# پاکستان میں ریسرچ کو زبوں حالی سے کیسے نکالا جائے؟

ڈاکٹر محمد امین صاحب نے البرہان کے جولائی کے شمارے میں یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے علوم اسلامیہ میں تحقیق کی زبوں حالی کے موضوع پر ایک نہایت مدلل، حقائق پر مبنی اور فکر و خیال کو جلا بخشنے والا مضمون لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے صرف شعبہ ہائے علوم اسلامیہ کا ذکر کیا ہے جب کہ ہماری جامعات کے تمام شعبوں میں (الا ماشاء اللہ) تحقیق کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ نرم سے نرم الفاظ میں ایک مذاق ہے۔ مغربی جامعات میں تحقیق پر مبنی علم کی دریافت نے ہی مغربی تہذیب و تمدن کو وہ قوت دی ہے جس کی وجہ سے مغربی تہذیب غالب ہے۔ ہمارے ہاں اگر کوئی قابل توجہ تحقیق ہوتی بھی ہے تو وہ فی الحقیقت مغربی فکر و خیال کا ہی حاصل ہوتی ہے اور اس طرح ہمارے محققین بھی مغرب کی روایات علم کو آگے بڑھاتے ہیں۔ دینی مدارس میں تو شاید تحقیق کا رواج نہیں ہے۔ جدید جامعات میں مغرب کی نقالی کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے لیکن ہماری معاشرتی، معاشی، سیاسی، انتظامی، مالیاتی حتیٰ کہ سائنسی اور تکنیکی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر تحقیق پر مبنی نئے علم کی دریافت اور اس کو ہمارے مسائل کے حل کے لیے اطلاق کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے معلمین، محققین اور مفکرین ندرت و اختراع پر مبنی اسلامی تناظر میں ایسے موضوعات کو سامنے لائیں جن پر کام کر کے پاکستان کو خصوصاً اور مسلمہ امہ کے دیگر معاشرے کو عموماً فائدہ پہنچے۔ راقم ایک عام سطح کا معلم ہے اور اسے محقق اور مفکر ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ محض توجہ اور درست سمت میں آغاز کی خاطر مختلف شعبہ ہائے تعلیم و تدریس میں تحقیق کے لیے چند تحقیقی موضوعات کو قلمبند کیا ہے تا کہ ماسٹر، ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کے محققین اگر ان موضوعات پر کام کرنا چاہیں تو انہیں کچھ راہنمائی ملے۔ ہمارے ملک میں صاحبِ علم لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ اگر دیگر صاحبانِ علم بھی اس طالب علم کی طرح قابلِ تحقیق موضوعات کی ایک فہرست البرہان میں شائع کرائیں تو تحقیق کا مقامی کلچر پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ میں محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب سے درخواست کروں گا کہ اسلامیات اور دیگر سماجی علوم میں تحقیق کے طریق کار (Research Methodology) پر اسلامی تناظر میں ایک جامع کتاب لکھیں یا لکھوائیں تو یہ علم کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

**RESEARCH PROJECTS OF VITAL IMPORTANCE**

(Proposed by: Prof. Malik Muhammad Hussain)

1. Study of students' (Secondary, Higher Secondary) understanding of the concepts of Tauheed, Risalat, Ibadat and Akhirat and its relationship with the presentation of these concepts in the curriculum of Islamiat. (2 Projects)

2. Comparative study of the concepts of Tauheed, Risala, Ibada, and Akhirat held by (Secondary, Higher Secondary) students and their teachers. (2 Projects)

3. Comparative study of the Secondary, Middle (Elementary classes) curricula / Textbooks of PTB, AFAQ, GABA and Oxford textbooks in the subjects of (English / Urdu / Islamic Studies / Math/ Science with respect to Islamic ideology / Pakistan Ideology. (15 Projects)

4. Study of selected TV programs (Cartoons, Dramas, Music, Mazahia Programs, Religious Program etc) on attitude, and behaviours of (Primary, Secondary, Higher Secondary) students in Pakistan. (3 Projects)

5. Comparative study of the impact of Friday sermons of Khutaba of different Masalik on the conceptual understanding of young generation / Adult population in the domain of Tauheed and Shirk, Khair and Shar, Gunah and Sawab. (2 Projects)

6. Comparative study of understanding of selected Islamic concepts held by students of different school systems (the Educators, Beacon House, Dar-i-Arqam, Hira, Allied, The

Knowledge, The Punjab schools etc.

7. Analytical study of the textbooks of (PTB, Oxford, AFAQ, GABA, etc) in the subjects of (English, Urdu, Pakistan Studies, Islamic Studies, Science, Math) with respect to their compatibility with Islamic culture in Pakistan. (6 Projects)

8. Comparative study of the academic achievement of students graduating from different school systems at (Secondary/ Higher Secondary) levels in the discipline of language, science and math. (6 Projects)

9. Study of the environment of different schools belonging to different school systems in the light of Islamic / Pakistani culture.

10. Study of the job satisfaction of teachers working in different school systems.

11. Development of essential list of topics of Islamic studies to be taught at different levels of education from K-12.

12. Analysis of the question papers of English, Urdu, Islamic Studies, Physics, Chemistry, Biology, Math etc) at (Secondary, Higher Secondary levels) of different BISEs in Punjab including FBISE and its comparison with the SLQs. (14 Projects)

13. Deductive study of Quran-o-Hadith and Islamic traditions to identify Islamic concepts related to Governance, Business and commerce, Management, Banking and Finance, Social Welfare, Education and Training,

maintenance of public order, international relations, Interpersonal relations, War and peace, Nature and Environment. (12 Projects)

14. Comparative study of students' understanding of the concepts of Tauheed, Shirk, Risalat, Ibadat, Gunah and Sawab, Khair and Shar, Halal and Haram, Bidaat, Farz, Sunnah, Mustahab , Mubah, Makrooh, etc studying or graduating from Madaris of different Masalik in Pakistan.

15. Social, ethical and behavioral problems of female students studying in

a) Co-Educational environment.

b) Semester (Internal) system.

c) Away from their places of residence.

16 Study of Islamic Banking system in Pakistan in the light of Sharia Law.

17. Comparative study of co-curricular activities of different school systems / college groups with respect to Islamic / Pakistan Ideology.

18. Study of the performance of sub-examiners and head examiners in the light of marking schemes and marking norms for answer sheets of students at Secondary and Higher Secondary level.

19. Impact of model papers, student guides and MCQ test papers on the question papers set by different BISEs, at SSC and HSSC level.

20. Study of female students' sexual harassment and breach of ethical norms in single sex and co-educational schools and colleges in Pakistan.

21. Study of the extent of using electronic media resources (internet, websites,U-Tube, Face book etc) by teenagers in Pakistan and its impact on their attitudes and behaviours.

22. Impact of higher enrolment of female students in colleges and universities on the social fabric of Pakistan.

23. Study of students' preference to enroll in single sex or co-educational institutions.

24. Study of malpractices in higher education institutions working in public and private sector.

25. Code of conduct derived from Ahadis and Teachings of Al-Quran for civil bureaucracy of an Islamic country / society.

26. Social attitudes and behaviors of individuals in an Islamic society derived from the teachings of Islam.

27. Place and role of women in an Islamic society.

28. Development of model of police officials training in the light of Quran-o-Sunnah.

29. Development of Model of civil servants training in the light of Quran-o-Sunnah.

30. Organization of federations of Masajid in towns and cities of Pakistan to achieve unity, peace and cooperation among Muslim communities.

31. Strategy to use Khutba-i-Juma for social and cultural

development of communities in the light of teachings of Quran-o-Sunnah.

32. Use of Khanqahi system for moral and ethical development of students at school / college levels.

33. Tark-e-Razail and Kasb-e-Fazail through awareness created with the help of Khutba-i-Juma.

34. Reformation of local traditions of Marriages and inter family relations according to the teachings of Islam.

35. Study of the causes of sectarianism in Pakistan.

36. Eradication of corruption and malpractices in the society through effective presentation of Islamic teachings in the media.

37. A comprehensive set of social attitudes and behaviours to be inculcated in Muslim youth through school education of initial 12 years.

38. Study of the role of injustices in the society in creating Juvenile delinquency in youth.

39. Study of the role of deprivation and injustices in creating violent and intolerant behavior among people of Pakistan.

40. Role of religious education in creating intolerant behaviour among youth.

41. Impact of colonial behaviour of developed countries on the angry youth of Muslim countries.

42. Impact of injustice and tyranny of different countries / societies against Muslim minorities and colonized Muslim

countries in creating anger, violence and intolerance among Muslim youth at international level.

43. Role of the violent and unjustified behaviour of the rulers of Muslim countries against orthodox Muslim movements / parties in creating mutiny and violent attitude among Muslim youth.

44. Impact of western dominated political and economic world order on international relations, world peace and behaviour of the Muslim youth.

45. Need for operational knowledge of Arabic language and deep understanding of Islamic thought for research students at M.Phil and Ph.D. level.

46. Causes of deteriorating family traditions and bondages in Pakistan.

47. Impact of Islamic political parties on the promotion and strengthening of sectarianism in Pakistan.

48. Causes of suicidal behaviour in Pakistan.

49. Causes of sexual violence in Pakistan and the ways and means of eradicating such violence.

50. Organization and control of Masajid system for peace and harmony among Muslim communities in Pakistan.

51. Reformation of judicial system for effective and speedy justice in Pakistan in the light of Quran-o-Sunnah and traditions of the past.

52. Prominent concepts of Islam to be highlighted in D'awa

activities among.

(a). Western Societies

(b). Bharti Communities

(c). Eastern Communities of South Asia

53. Development of a workable and acceptable strategy of mainstreaming the Madrassa graduates through providing them employment including self employable knowledge and skills.

54. Development of an institutional mechanism to utilize Zakat, Usher and Sadqa resources to promote Islamic welfare society in Pakistan.

55 Development of environmental conservation policy in the light of Quran-o-Sunnah.

56 Development of poverty alleviation policy in the light of Quran-o-Sunnah and practices of Khulafa-i-Rashideen.

57 Development of Budget policy for an Islamic state in the light of Quran-o-Sunnah and practices / traditions of Khulafa-i-Rashideen.

58 Development of education policy for an Islamic state in the light of Quran-o-Sunnah and Historical traditions of Muslim past.

59 Development of International Relations policy for Pakistan in the light of Quran-o-Sunnah keeping in view the realities of contemporary world.

60 Identification of limits for the parliament of a Muslim

country to legislate using the concepts of Ijtihad, Ijmaa and Qiyas.

61. Development and tryout of Islamic D'awa materials (print and electronic) for English, French, and Chinese speaking people of the world.

62. How can we use the culture of globalization for the advancement of Islamic D'awa activities in the world?

63. Comparative study of Gender issues in Islamic and western thought.

64. Comparative study of marriage laws and tradition in Islamic and western thought and culture.

65. An analytical study of the concept of peaceful and contented life of a good and practicing Muslim.

66. An analytical study of the concept of peaceful and contented life in Islam.

67. What Islam stands for- war or Peace?

68. An objective study of western thought and civilization promoting clash of civilizations.

69. An objective study of Islamic though and civilization promoting peace and harmony among societies of the world.

70. An analytical study of the sectarian phenomenon among Muslims responsible for hampering the spread of Islam at global level.

71. Study of the social, economical and political reasons of

Muslim sectarianism in Pakistan /Iran/Iraq/Syria/ Lebanon/Western World.

72. Identification of solutions to curb Muslim sectarianism in the light of the constitution of Islamic Republic of Pakistan.

73. Development of agreed code of ethics and Norms of behavior for Aimma-i-Masajid and Khutaba-i-Juma including leaders of sectarian groups to control Muslim sectarianisms in Pakistan.

74۔ عربی کی اساس رکھنے والے اردو پنجابی ذخیرہ الفاظ پر مبنی قرآن فہمی کے آسان ماڈل کی تشکیل

75۔ دینی مدارس میں قرآن فہمی کے لحاظ سے عربی زبان کی تدریس کا جائزہ

76۔ ایم۔اے عربی اور شہادۃ العالمیہ کے فاضل خواتین وحضرات کا قرآنی عربی کے حوالے سے عربی زبان کے فہم کا موازنہ

77۔ عربی زبان کے معاصر دینی لٹریچر میں مستقبلیات اسلام(Islamic Futures) کا صورت پذیر ہونے والا نقشہ

78۔ قرآن وحدیث کی تفہیم کے لیے چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک عربی زبان کے ضروری درسی مواد کا انتخاب اور محدود سطح پر عملی آزمائش

79۔ ایک عام مسلمان کے لیے قرآنی عربی کے فہم کی ضروری صلاحیتیں حاصل کرنے کی خاطر درسی مواد کا انتخاب اور محدود سطح پر عملی آزمائش

80۔ علامہ اقبال کی اردو اور فارسی شاعری پر عربی زبان کے اثرات

81۔ ایم۔اے عربی اور ایم۔اے اسلامیات کے فائنل ایئر کے طلبہ کی عربی دانی کا موازنہ اور ان کے اکتساب عربی زبان کا ان کی اسلام فہمی پر اثرات

82۔ قرآنی الفاظ پر مبنی اردو/انگریزی الفاظ کی معیاری ڈکشنری کی تالیف وتدوین

83۔ انٹرنیٹ پر عربی زبان میں دینی مواد کا جائزہ

عالم اسلام ڈاکٹر محمد امین

# مسلمان رُل گئے

## حمیت اور تدبر سے محروم مسلمان حکمران کچھ تو خوف خدا کریں

یورپ کی سڑکوں پر بند کنٹینروں میں شامی مسلمانوں کی سڑتی ہوئی لاشوں نے دنیا کو چونکا دیا ہے لیکن مسلمان حکمران اور عوام بے حس پڑے ہیں۔

شام، عراق، یمن اور افغانستان اس وقت ذبح خانے بنے ہوئے ہیں جہاں مسلمان دن رات قتل ہو رہے ہیں لیکن ان پر رونے والا بھی کوئی نہیں؟ اقوام متحدہ کو اس لیے دلچسپی نہیں کہ قتل ہونے والے مسلمان ہیں۔ خود مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں اور انہیں لڑانے والے اور اس آگ کو ہوا دینے والے امریکہ و یورپ اور روس وچین ہیں۔ او آئی سی جدہ کے محلات میں امریکی انجکشنوں کے زیر اثر گہری نیند سو رہی ہے اور اسے جگانے والا کوئی نہیں۔ ان دو کے علاوہ کوئی بین الاقوامی ادارہ ایسا نہیں جو اس خون خرابے کو روکنے کی کوشش کرے۔ (ہم ملی مجلس شرعی کے اجلاسوں میں اپنے اضطراب کا اظہار کرتے رہتے ہیں لیکن چڑیا کی چونچ میں پانی کی بوند سے آگ کا الاؤ سرد تو نہیں ہوسکتا)۔

**عراق:** اس کشت وخون میں بنیادی ذمہ داری ایران کی ہے جس نے شیعوں کے حقوق کے نام پر امریکہ و یورپ کا چوگا چن لیا ہے اور اس سے صَرف نظر کیا ہے کہ مغرب (اپنی تہذیبی برتری اور عالمی غلبہ کے لیے) اسلام کا دشمن ہے اور مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اس نے عراق میں امریکی حملے کو خوش آمدید کہا تاکہ وہاں شیعوں کی حکومت قائم ہو جائے جو سنی مسلمانوں پر آبادی کے لحاظ سے معمولی برتری رکھتے ہیں اور پھر اس عراقی شیعہ حکومت نے ماضی کے ردعمل کے طور پر سنّی مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا کر دی حالانکہ ایک ایسے ملک میں جہاں لاکھوں کی سنّی آبادی ہو اور اعداد وشمار کے لحاظ سے شیعی مسلمانوں سے کچھ ہی کم ہو، وہاں عدل وانصاف اور سیاسی سمجھوتے میں کچھ لو اور کچھ دو اور برداشت کے اصول پر سیاسی لچک کا مظاہر کرتے ہوئے ہی گزارہ ہوسکتا ہے اور اتنی بڑی آبادی کو بل ڈوز کر کے اور مغرب کی اشیر باد سے اس پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ کر اور اسے دبا کر تو نہیں رکھا جاسکتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سنّی علاقوں میں ردعمل کے طور پر داعش ابھری اور امریکی منافقت

اورعیاری دیکھیے کہ اس نے داعش کو بھی ابھرنے میں مدد دی اور اس کو ڈالر اور اسلحے سے مدد دی اور اسے ایسے علاقوں پر قبضے کا موقع دیا جہاں سے اسے مادی وسائل کثرت سے مہیا ہوسکیں۔ تیری طرف اس نے کردوں کی حوصلہ افزائی کی چنانچہ اب عراق تین حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ شیعہ، سنی (داعش) اور کرد اور تینوں آپس میں لڑ رہے ہیں، لوگ بے دریغ قتل ہو رہے ہیں اور ملک برباد ہو رہا ہے۔

**شام:** شام میں ۵ فیصد سے کم آبادی رکھنے والے شیعہ نصیری فرقے کا بشارالاسد ظلم و جبر سے ۹۵ فیصد سنّی آبادی پر حکمرانی کر رہا ہے۔ عرب ممالک میں پچھلے دنوں آمروں کے خلاف عوامی حمایت و مزاحمت کی جو لہر چلی اس میں شام کے سنّی مسلمان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایران محض اس لیے بشارالاسد کی مدد کو لپکا کہ وہ شیعہ تھا۔ یہ لڑائی جاری تھی کہ بعض متحارب گروپوں کو سعودی عرب نے امداد دینا شروع کر دی۔ جب مسئلہ بین الاقوامی اہمیت اختیار کر گیا تو امریکہ و یورپ نے بھی اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اپنے متحارب دھڑے بنا لیے اور ایران اس کے جواب میں روس کی فعال اور چین کی خاموش حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ القاعدہ اور الاخوان المسلمون بھی حسب جثہ اس کشمکش میں حصہ لے رہے ہیں۔ اور اب حال ہی میں مغربی ایماء پر اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ترکی بھی اس جنگ میں کود پڑا ہے۔ اتنے متحارب فریقوں کی جنگ میں لوگ ہر روز ذبح ہو رہے ہیں، ملک اجڑ رہا ہے لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی صلح کرانے والا نہیں، کوئی اس آگ کو ٹھنڈا کرانے والا نہیں جو امن بحال کرائے اور سیاسی حل کا سوچے۔

لوگ کہاں جائیں؟ کس سے فریاد کریں؟ وہ جانیں بچانے کے لیے بھاگ رہے ہیں۔ زمینی علاقے میں پناہ نہیں ملتی تو سمندری راستے سے بھاگتے ہیں، ڈوبتے ہیں، کنٹینروں میں چھپ کر یورپ پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہاں امن اور خوشحالی ہے۔۔۔۔ وہاں امن اور خوشحالی اس لیے ہے کہ مغرب نے عیاری اور منافقت سے کام لے کر جنگ مسلم علاقوں میں دھکیل دی ہے وہ ان کو آپس میں لڑا رہا ہے اور خود آرام سے بیٹھ کر تماشا دیکھ رہا ہے اور ہم مسلمان ایسے نالائق اور بدھو ہیں کہ ہمیں ان حقائق کا ادراک ہی نہیں اور جن کو ادراک ہے وہ اتنے غیر مؤثر ہیں کہ ان کی سنتا کوئی نہیں۔

**یمن:** یمن میں بھی صورت حال یہ ہے کہ ایران حوثی شیعوں کو مسلسل ڈالر، اسلحہ اور ٹریننگ دے رہا ہے اور اگرچہ وہ یمن میں معمولی اقلیت ہیں لیکن ایران نے انہیں بڑھاوا دے کر اور طاقتور کر کے ملک پر قبضہ کرنے کا موقع دیا۔ سعودی عرب اپنی سالمیت کو خطرے میں دیکھ کر حرکت میں

آیااوراس نے خلیجی ریاستوں کوساتھ ملا کرفضائی حملے شروع کر دیے۔امریکہ کھل کرسعودی عرب کا ساتھ نہیں دے رہا تا کہ مسلمان ملک آپس میں لڑتے رہیں، مرتے رہیں اور کمزور ہوتے رہیں۔ پاکستان نے بھی کھل کرسعودی عرب کا ساتھ نہیں دیا اور مزید یہ کہ صلح صفائی کرانے والا بھی کوئی نہیں۔نہ اقوام متحدہ کو دلچسپی ہے نہ او آئی سی کو۔نتیجہ یہ ہے کہ یمن تباہ ہورہا ہے، مسلمان باہم لڑ اور مر رہے ہیں اور کوئی پرسان حال نہیں۔

**افغانستان:** افغانستان میں امریکہ اور ناٹو ۱۳ سال تک افغان طالبان سے لڑتے رہے لیکن انہیں ختم نہ کر سکے۔ناکام ہوکر وہ واپس چلے گئے لیکن پاکستان کو کمزور کرنے کے لیے انہوں نے بھارت، اسرائیل اور افغانستان کی مدد سے جو مداخلت کار اور دہشت گرد تیار کیے تھے ان سے پاکستانی فوج افغان بارڈر پر اور اندرون ملک لڑ رہی ہے۔دوسری طرف افغان حکومت اور فوج امریکہ، ناٹو اور بھارت کی بچی کھچی طاقت سے افغان طالبان پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے، جس میں ظاہر ہے وہ کامیاب نہیں ہوسکتی اور جلد یا بدیر مکمل طور پر ناکام ہو جائے گی۔امریکہ و یورپ اس ہاری ہوئی جنگ کو مذاکرات کی میز پر جیتنا چاہتے ہیں اور پاکستان پر ہر طرف سے دباؤ ڈال رہے ہیں (افغانستان اور بھارت کی طرف سے پاکستانی بارڈر پر حملے ہورہے ہیں، پاکستان کے جنگی اخراجات کے بل رو کے جارہے ہیں، اندرون ملک دہشت گردانہ کاروائیوں سے امن و امان کی صورت حال بگاڑی جارہی ہے.....) چین بھی اس معاملے میں امریکہ کا ساتھ دے رہا ہے تا کہ افغانستان میں طالبان کی حکومت نہ بنے اور وہ سنکیانگ کے مسلمانوں کو دبا کر رکھ سکے۔ پاکستان میں ایرانی مدد سے شیعہ انتہا پسند عناصر اور امریکی وسعودی مدد سے سنّی انتہاء پسند عناصر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور ملک امن وسکون اور خوشحالی سے محروم ہے۔

کوئی ہے جو عالم اسلام کے ان سلگتے مسائل پر سوچے اور حرکت میں آئے؟ مسلم حکمران اگر خوف خدا، غیرت، تدبر اور حیاء سے عاری ہیں تو عوام کو اٹھنا چاہیے۔اسلامی جماعتوں اور اداروں کو اٹھنا چاہیے۔ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ او آئی سی اگر حرکت میں نہیں آتی تو اسلامی اور عوامی عناصر کو اٹھنا چاہیے اور موتمر عالم اسلامی، کی طرز پر ایک فعال عالمی مسلم تنظیم قائم کرنی چاہیے جس کی مسلم ہر ملک میں فعال اور متحرک شاخ ہو اور یہ فعال تنظیم مسلم امہ اور مسلم عوام کی نمائندگی کرے اور ان کے مسائل حل کرنے کی جدوجہد کرے۔

اسلام اور مغرب

تحریر علی محمد رضوی......ترجمہ: ریحان احمد

# فلسفہ یونان کے ردّ میں امام غزالیؒ کا طریق کار

## مغربی فکر و فلسفے کو غزالی بنیادوں پر مسترد کیا جائے

### تعارف

اس مقالے کو ضبطِ تحریر میں لانے کا مقصد ان اصولوں کی تفہیم کی کوشش ہے جو مغربی فلسفہ اور بالخصوص یونانی مابعد الطبیعیات کی تنقید سے متعلق امام غزالیؒ کی تحریروں میں نظر آتے ہیں۔ اس مطالعاتی جائزے کو ہم کئی حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں مثلاً

(۱) اس تناظر سے مکمل واقفیت حاصل کی جائے جس کے تحت امام غزالی یونانی فلسفہ کی بنیادوں پر کاری ضرب لگاتے ہیں کیونکہ اس سے ہمیں امام غزالی کی تنقید کے بنیادی محرکات کو جاننے میں مدد ملے گی۔

(۲) اس دور میں مختلف افکار و نظریات اور عقائد و اعمال کی جانب سے درپیش مختلف النوع خطرات کا تجزیہ اور ان کا سد باب۔ اس ضمن میں آپ کے اصول تفریعات اہم ہیں۔

(۳) فلسفہ و منطق کے وہ عمومی اصول جو استدلال کے دوران امام صاحب نے استعمال کیے اور ان کی توجیہ بیان کی۔

(۴) وہ خاص اصول جو یونانی مابعد الطبیعیات کی رد تشکیلیت کے سیاق میں امام صاحب نے نہایت عمدگی سے استعمال کیے۔

فلسفۂ یونان کے ردّ میں امام غزالی کے منہاج کے مطالعہ کی اہمیت و افادیت کو سمجھنے کے لیے مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کا مندرجہ ذیل تبصرہ قابل غور ہے:

''مشرق و مغرب امام غزالی کے فکری مقام کی بلندی کے اس درجہ قائل ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد امام صاحب کو سب سے بڑا مسلمان گردانتے ہیں اور آپ بجا طور پر اس مقام کے مستحق بھی ہیں۔ آپ کی شخصیت کی عظمت کے بیان میں جہاں دیگر پہلوؤں کو

پیش کیا جاسکتا ہے وہاں دوامور بالخصوص قابل ذکر ہیں: ایک یہ کہ فلسفۂ یونان کے ساتھ مجادلہ کے دوران آپ فکر اسلامی کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اسلامی فکر اس پیکار سے نہ صرف یہ کہ فاتح بن کر نکلی بلکہ فکری سطح پر اسے مزید استحکام بھی ملا اور مغرب نواز افلاطونیت کی فکر پر ایسی کاری ضرب لگی جس سے وہ سنبھل نہ سکی۔ آپ کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے شریعت اور طریقت کے درمیان خلیج کو پاٹنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور دونوں گروہوں کے راہنما قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے حالانکہ علمائے شریعت اور پیران طریقت دونوں اب بھی اپنے اپنے افکار واقتدار کو ہی برتر تصور کرتے تھے لیکن دونوں فریق ایک دوسرے کے مقام کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نظر آتے تھے۔ علماء شریعت صوفیاء کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے جب کہ دوسری جانب صوفیا شرعی پابندیوں کے معاملے میں زیادہ محتاط رہنے لگے۔'' (Intro pp.14-15)

''آج اسلام کو مغربی فکر کی جانب سے ویسی ہی صورت حال درپیش ہے جو کسی زمانے میں یونانی فلسفہ کے ساتھ تھی اور آج اس کڑے دور میں مغربی علوم کے احیاء کی اسی قدر ضرورت ہے جیسا کہ امام غزالی کے وقت میں تھی اور اگر آج اہل اسلام اس موجودہ نازک صورت حال سے کامیابی سے نکلنے کے خواہش مند ہیں تو انہیں امام غزالی کی فکر کا غائر مطالعہ کرنا ہوگا۔'' (Ibid p.15)

مغربی فکر کی جانب اب تک مسلمانوں کے بالعموم دو طرح کے رویے سامنے آئے ہیں: ایک طرف یہ صورت حال نظر آتی ہے کہ علماء کی اکثریت اور ان کے پیروکاروں نے مغربی فکر سے ہمیشہ دامن بچانے کی کوشش کی ہے تاکہ اسلامی فکر کو مغربی فکر کے اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔ دوسری طرف معاملہ یہ ہے کہ جدیدیت پسندوں کا ایک ایسا گروہ سامنے آیا ہے جس نے صراحتاً اس امر کی کوشش کی کہ یا تو ہر دو افکار کے درمیان تطابق وتفاہم کے رشتہ کو سامنے لایا جائے یا پھر اسلامی فکر کو مغربی اصول تنقید اور مغربی منہاج کی مدد سے جانچا جائے۔

مغربی فکر کے ساتھ جدال کی اس کیفیت کے دوران جس شے کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے وہ غیر اسلامی افکار کا غزالی کے منہاج فکر کی روشنی میں جائزہ لینا اور اس کا محاکمہ کرنا ہے۔

آج امام غزالیؒ کی فکر کی طرف رجوع کرنے کا مقصد اور غایت بھی یہی ہے کہ مغربی فکر وعقائد کو سمجھنے کے لیے قدیم اسلامی اصول تنقید کو اپنایا جائے۔

## امام غزالی کی جدوجہد کی غایت اور تناظر

امام غزالی کی عظیم کاوش کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس تناظر سے واقفیت حاصل کی جائے جس میں امام صاحب کو ردّ فلسفۂ یونان کا کام کرنا پڑا۔ صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ اسلامی سلطنت کی توسیع کے دوران رومی، یونانی تہذیب سے اس کا تصادم وہ پہلا تصادم تھا جب عرب مسلمان انسانوں کے ایک ایسے گروہ سے برسرپیکار ہوئے جو اسلامی تہذیب کے مقابلے میں تصور حق کے متبادل فکری دلائل رکھتے تھے۔ اس سے پہلے تک جن اقوام سے مسلمانوں کا واسطہ پڑا تھا، ان میں ایک تو کفار تھے جو اپنے عقائد کے لیے کسی قسم کی علمی بنیاد نہیں رکھتے تھے یا یہود و نصاریٰ کے گروہ تھے جو اسلام کے مماثل علمیت کے قائل تھے۔

ہر چند کہ یہ تصادم امام غزالیؒ کے زمانے سے دو صدی قبل سے جاری تھا لیکن آپ کے عہد میں اس تہذیبی تصادم سے برآمد ہونے والے علمی وفکری مسائل نے امت مسلمہ کے لیے ایک فتنہ کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور علماء میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اپنے تدبر و تعقل کی بنیاد پر خود کو برتر تصور کرنے لگا تھا۔ اس کے علاوہ وحی کو حق صداقت کا منبع سمجھنے کی بجائے عقل وخرد کو صداقت کے حصول کا ذریعہ سمجھنے لگا تھا۔ وحی کے لیے ان کا حقارت آمیز رویہ اسلامی طریقوں اور علامات سے ان کی دستبرداری سے ظاہر ہوتا تھا۔ امت کو درپیش اس نازک و پرفتن صورت حال کو امام غزالیؒ یوں بیان فرماتے ہیں:

> ''انہوں نے وہ تمام پابندیاں ترک کر دی ہیں جو اسلام اپنے پیروکاروں پر عائد کرتا ہے۔ وہ دین کے ان احکام کا مذاق اڑاتے ہیں جن میں بندگی کے طریقے اور حلال و حرام کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ وہ الہامی وشرعی قوانین کے بارے میں غیر سنجیدہ رویہ اپناتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ شریعت مطہرہ کی جانب سے عائد کردہ پابندیوں کو وہ بجا نہیں سمجھتے بلکہ عقائد وایمان کو مختلف النوع قیاسات کی کسوٹی پر پرکھنے لگے ہیں۔ ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو خدا کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں، شیطان کی راہ پر چل

نکلتے ہیں اور جو آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے۔''

امام اس نازک صورت حال کو بخوبی سمجھ رہے تھے کہ بیرونی فکر کس طرح عام مسلمانوں کے عقائد واعمال پر اثر انداز ہو رہی ہے اور وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ علمیت کے معیارات میں یہ تغیر جو عقل وخرد کی برتری کی صورت میں سامنے آیا تھا، کفریہ عقائد کے فروغ کے ضمن میں راہ ہموار کرنے کا کام انجام دے رہا تھا۔

آج ہم جس دور میں رہ رہے ہیں وہاں سقراط، بقراط، افلاطون وارسطو وغیرہ کو علمی شخصیات کے طور پر غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے اور ان فلاسفہ کے مقلدین مبالغہ کی حد تک انہیں مافوق الفطرت تدبر کے حامل افراد کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان عظیم عقلی صلاحیتوں کے بل پر جو اصول دریافت کیے گئے ہیں، انہیں بھی وہ ہر قسم کی لغزش سے پاک اور ناقابل تغیر تصور کرتے ہیں۔اس کے علاوہ انہوں نے منطق، ریاضیاتی، طبیعیاتی اور مابعد الطبیعیاتی علوم کو بھی نہایت مکمل و جامع حیثیت میں پیش کیا ہے اور ان کے نزدیک اس کے پس پشت وہ عظیم عقلی صلاحیتیں ہی تھیں جن کی بنیاد پر استخراجی طریقہ کار کے ذریعہ کائنات کے پوشیدہ حقائق کو دریافت کیا گیا اور تدبر و تعقل کی ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کی بناء پر انہوں نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ مذہبی احکام محض بے بنیاد مفروضوں اور غیر اہم حقائق سے متعلق بیانات کا مجموعہ ہیں اور انہیں کسی بھی قسم کی برتری کا حامل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

درج بالا سطور اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ان سے ہمیں ان وجوہات واسباب کا پتہ چلتا ہے جو امت مسلمہ میں کفریہ عقائد کی ترویج کا سبب بن رہے تھے۔ان اسباب کو ترتیب سے یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

۱- ذہنی وعلمی برتری کے سبب فلاسفہ کو ہر ذی نفس سے، بشمول انبیاء کرام، برتر سمجھنا۔

۲- فلاسفہ کے دریافت کردہ اصولوں کو غیر مشکوک اور بدیہی تصور کرنا۔

۳- استخراجی طریق کار کو ایسے منہاج کے طور پر قبول کرنا جس کے ذریعے بدیہی اصولوں سے نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

۴- نتیجتاً یونانی مابعد الطبیعیات، منطق اور طبیعی علوم کی برتری پر یقین۔

۵- درج بالا عوامل مذہبی احکام وتعلیمات کی تحقیر وتذلیل کا سبب بنتے ہیں۔

ان نکات کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ ان فلاسفہ کے مقلدین کے اندر ایک علمی غرور پیدا ہو گیا جس نے یونانی فلاسفہ اور ان کی منہاجیات وعلمیات کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا جس کا مربوط اور مبسوط محاکمہ کرنے کے لیے امام غزالی نے تہافۃ الفلاسفہ جیسی کتاب تصنیف کی۔ آپ خود اس مقصد کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

''خرد سے عاری ان افراد کو جب میں نے اس فکر کو اپناتے ہوئے دیکھا تو یہ فیصلہ کر لیا کہ قدیم فلاسفہ کی فکر کے رد کے لیے ایک کتاب لکھنی چاہیے جو ان کے عقائد کی بے ربطی اور ان کے مابعد الطبیعیاتی نظریات کی کجی کو واضح کر دے اور ان کی فکر کے کمزور ترین گوشوں کو اس طور پر عیاں کر دے کہ کچھ لوگوں کے لیے تفریح طبع کا سبب بنے تو کچھ لوگوں کی عقائد کی درستی کا۔'' امام صاحب کا اشارہ یہاں ان لوگوں کے ایسے نظریات کی طرف ہے جن کی بناء پر وہ اپنے تئیں خود کو دوسروں سے ممتاز و برتر تصور کرتے تھے۔

## امام غزالی کا نظریۂ علم اور تقسیم علوم

علم کیا ہے اور اس کا حصول کن مقاصد کے تحت کیا جانا چاہیے؟ یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جنہیں امام غزالی کی فکر میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس کے علاوہ تنقید کے عمومی مقصد کو سمجھنے کے لیے بھی یہ سوالات نہایت اہم ہیں۔ امام غزالی ابتداء علم اور حصولِ علم کی غایت سے متعلق کچھ ایسے تصورات ونظریات بیان کرتے ہیں جن کی بنیاد پر آپ نے یونانی فکر کی تنقید مرتب کی۔

آپ کی نظر میں حصول علم کا مقصد (اس سے تصور علم کو بھی واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے) دو طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے: معاد اور دوسرے معاش۔ ان ہر دو مقاصد میں ایک نوع کا گہرا تعلق موجود ہے کہ معاد کا فروغ حلال رزق کے حصول کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا ہمارا مقصود معاد کا حصول ہونا چاہیے اور معاش کے حصول میں سرگرمی فقط اس وقت تک مستحسن ہے جب تک وہ معاد کے حصول میں معاون ہو۔ اس طرح وہ تمام علوم جو معاد کے حصول کے لیے وضع کیے گئے ہیں یقینی طور پر علم کے دائرے میں آتے ہیں لہٰذا اصل علم معاد کا علم ہے۔ امام غزالی طالبان صداقت وعلم کی

توجہ خاص طور پر اس نکتہ کی جانب مبذول کراتے ہوئے کہتے ہیں:

''حصول علم کے لیے اس قدر شدید طلب رکھنے والے میرے دوست تم جو خود کو یہ احساس دلا رہے ہو کہ طلب علم کی راہ میں تم کس قدر صادق، پر جوش اور مستقل مزاج ہو، کیا تم نے کبھی اس امر پر بھی غور کیا ہے کہ اس جستجوئے علم کے پس پشت کیا مقصد کارفرما ہے؟ اگر تمہارا مقصد اپنی ذات کا نفع اور اپنے ہم جماعتوں میں ممتاز حیثیت کا حصول ہے تا کہ لوگوں کی توجہ حاصل کر کے دنیاوی نعمتیں سمیٹ لو تو جان لو کہ تم اپنے دین کے لیے بے فائدہ اور بے کار ہو۔تم خود کو تباہ و برباد کر رہے ہو اور تم نے ابدی زندگی کو اس عارضی آرام وسکون پر قربان کر دیا ہے۔خوب سمجھ لو کہ یہ سودا خسارے کا سودا ہے،اس بے سود تجارت میں کچھ نفع نہیں اور تمہارا استاذ جو تمہیں اس گمراہی میں پختہ کار کرتا ہے وہ بھی اس خسارے میں برابر کا شریک ہے۔اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک مسافر کو تلوار فروخت کرتا ہے.....دوسری جانب اگر حصول علم وصداقت کے ضمن میں تم یہ نیت رکھتے ہو کہ فقط بڑائی ظاہر کرنے کے لیے کچھ الفاظ نہ سیکھیں جائیں بلکہ صحیح راہنمائی حاصل کی جائے تو خوش ہو جاؤ کہ یہی درست راہ ہے۔''

سطور بالا سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حصولِ علم کا مقصد ذات باری تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور علم دراصل خشیتِ الٰہی کا احساس ہے۔یہی فرق ہمیں علم اور معلومات کے درمیان بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے کہ فقط کچھ حقائق جان لینے کا نام علم نہیں ہے بلکہ علم وہ ہے جو رضائے الٰہی کے حصول میں ممد ومعاون ثابت ہو اور خوف خدا پیدا کرے۔

اس گفتگو کی روشنی میں ہم علوم کو بہ اعتبار درجات درج ذیل اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱- ایسے علوم جو کلی طور پر براہ راست معاد سے متعلق ہیں جیسے قرآن وحدیث کے علوم۔

۲- وہ علوم جو معاد کے لیے ضروری ہیں۔ان کے جاننے کا مقصد فقط ان علوم کو جاننا نہیں ہوتا بلکہ معاد کا حصول ہوتا ہے اور اگر ان کو صرف ان کا علم حاصل کرنے کے لیے حاصل کیا جائے تو یہ علوم مضر ثابت ہوتے ہیں مثلاً عربی شاعری کی تعلیم قرآن کریم کی تفہیم میں کارآمد ثابت ہوتی ہے، بذاتہ مقصود نہیں۔

۳- ایسے تمام علوم جن کا معاد سے کسی طور تعلق نہیں ہے۔انہیں کلیتاً ردّ کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ صراطِ مستقیم کی بجائے گمراہی وضلالت کی طرف لے جاتے ہیں۔یہ شیطانی علوم ہیں جن کا حاصل کرنا خسارہ ہی خسارہ ہے۔امام غزالی نے اس ضمن میں یونانی مابعدالطبیعیات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

۴- ان میں ایسے علوم بھی شامل ہیں جو کلیتاً نہ سہی آلاتی طور پر معاد کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ان کو ذاتی حیثیت سے نہیں، شیطانی علوم کی معاونت کی وجہ سے ردّ کیا جاتا ہے۔اس ضمن میں یونانی منطق کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

۵- ایسے تمام علوم جو معاد کے حصول کی راہ میں نہ تو کسی طرح سودمند ثابت ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ مضر قرار دیے جاسکتے ہیں۔ان کا ردّ کیا جانا نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کے ایمان کا حسن یہ ہے کہ وہ فضول و بے کار کاموں میں محو نہیں ہوتا۔ان میں وہ علوم شامل ہیں جنہیں ہم آلاتی علوم کہتے ہیں۔(جاری ہے)

---

## (بقیہ صفحہ۱۳) تعلیم پر الہ آباد ہائی کورٹ کا فیصلہ

الہ آباد ہائی کورٹ کے جسٹس اگروال نے مذکورہ ٹیچر کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ ہر وہ شخص جو سرکاری خزانے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کچھ حاصل کرتا ہے وہ لازماً اپنے بچے سرکاری تعلیمی اداروں میں پڑھائے گا اور اس کا اطلاق اتر پردیش کے تمام شہریوں پر ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کب کوئی پاکستانی استاد اسی نوعیت کی پٹیشن کسی ہائی کورٹ میں دائر کرتا ہے اور وہ ہائی کورٹ اسی طرح کا انقلابی فیصلہ صادر کرتی ہے جو الہ آباد ہائی کورٹ کے جسٹس اگروال نے دیا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ اس طرح کا فیصلہ آنے کے بعد اکثر بیوروکریٹ جو پاکستان کے شعبۂ تعلیم کو تباہ کرنے کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں، مستعفی ہوجائیں گے کیونکہ ماضی قریب میں ایم ایم اے کی صوبہ خیبر پختون خواہ کی حکومت کے دوران ایک تعلیمی سیمینار میں جب اس طرح کی تجویز پیش کی گئی تو سیکرٹری تعلیم نے جو سیمینار کی صدارت فرما رہے تھے فوراً اُٹھ کر کہا کہ اگر کوئی ایسی تجویز منظور ہوتی ہے تو وہ سرکاری ملازمت سے استعفا دے دیں گے اور یہ کہتے ہوئے موصوف کی پیشانی پر عرقِ شرمندگی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا کہ وہ جس شعبہ کے سربراہ ہیں اس کی کارکردگی پر انہیں اعتماد نہیں ہے۔

اسلامی سیاسیات ڈاکٹر محمد امین

## 'تحریکِ عظمت اسلام' کا سوال نامہ
# کیا 'قرآن وسنت' کے علاوہ آئین بنانا جائز ہے؟

علمی لحاظ سے امت کی کشتی اس وقت دو انتہاؤں کے درمیان پھنسی ہوئی ہے۔ایک طرف تجدد ہے اور دوسری طرف تجمد۔متجدد دین دنیا کی اس وقت کی غالب فکر وتہذیب (مغربی فکر و تہذیب) سے مرعوب ومتاثر ہوکر یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اسلامی تعلیمات کو اس جدید فکر وتہذیب کے عین مطابق ثابت کر دیا جائے تا کہ لوگ دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے اپنا ایمان بھی بچالیں اور ساتھ ہی اس غالب تہذیب کی پیروی کر کے 'ترقی' وازدھار کا تحفہ بھی حاصل کرلیں۔دوسری طرف گروہ متجمدین ہے جونصوص سے لفظی تمسک اوراسلاف کے ایسے رویوں کو بھی حرف آخر سمجھتے ہیں جن کا تعلق اس وقت کے حالات وضروریات سے تھا اور جن مین شارع نے عمداً کوئی غیر متغیر احکام نہیں دیے۔

اس تجدد وتجمد کی ایک مثال ہم عصر مسلم ریاست کے حوالے سے نظر آتی ہے جس میں حال ہی میں جاوید احمد غامدی صاحب نے مغرب کے سیکولرزم کے اتباع میں ریاست کے اسلامی کردار ہی سے انکار کر دیا ہے اور دوسری طرف 'خلافت' کے متوالے ہیں جو چودہ سو سال پہلے کے عرب کے مخصوص سیاسی، سماجی اور تمدنی حالات سے صَرف نظر کرتے ہوئے آج بھی اُس وقت کے اجتہادی احکام اور رویوں کو ہم عصر مسلم ریاست میں نافذ کرنا چاہتے ہیں خصوصاً خلیفہ کی ذات میں ارتکاز اختیارات کو۔ان حالات میں ہمیں 'تحریک عظمت اسلام' کا ایک سوال نامہ موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے استفسار کے پردے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ قرآن وسنت کے علاوہ مسلم ریاست میں 'آئین' بنانا جائز نہیں ہے۔

'تحریک عظمت اسلام' خلافت کی داعی ہے۔اس کا ماہنامہ 'سبق پھر پڑھ' اور دوسرا لٹریچر ہمیں موصول ہوتا رہتا ہے۔جو تنظیمیں اور جماعتیں کسی حوالے سے دین کی خدمت کر رہی ہیں اور ہمیں ان کی بعض باتوں سے اتفاق اور بعض سے اختلاف ہو،تو ہم اتفاق امور کی تائید کر دیتے ہیں اور اختلافی امور پر عموماً خاموش رہتے ہیں۔تحریک کے موجودہ امیر چوہدری رحمت علی صاحب نے

کچھ عرصہ پیشتر اسلامی تناظر میں انتخابات کی ایک تجویز پیش کی۔ہم نے اسے سراہااور البرہان میں میں اسے طبع کیا۔ البرہان کے اگست کے شمارے میں بھی خلافت کے حق میں ہماری ایک تحریر موجود تھی لہٰذا ہم تحریک عظمت اسلام سے کسی اختلافی معاملے میں الجھنا نہیں چاہتے لیکن بطور استثنیٰ ان کے حالیہ سوال نامے کا جواب دینے کا ہم نے فیصلہ کیا ہے تا کہ بعض ایسی غلط فہمیوں کا تدارک ہو سکے جن میں بعض دینی حلقے مبتلا ہیں۔

تحریک کا یہ استفسار ان کے امیر کی طرف سے ایک ذاتی خط کی صورت میں کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت ۷۹ ''فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلاً فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ'' کی روشنی میں یہ بتایئے کہ

۱- ''من عنداللہ'اور'اسلامی' ہونے کے مفہوم میں کیا کوئی فرق ہے؟

۲- کیا انسانی ہاتھوں سے یعنی کتابچہ لکھ کر اسے آئینِ مملکت قرار دینے کی اجازت ہے؟

۳- کیا ایسا کرنے والوں کے لیے تین دفعہ 'ویل' کا انتباہ قرآنِ مجید میں نہیں آیا؟

۴- کیا ایسی دستاویز جو صدر مملکت کو کسی مجرم کی سزا کم یا ختم کرنے کی اجازت دے، جو حکمرانِ وقت کو شرعی قوانین سے استثناء دے، جو عورت کو پورے ملک کی حکمرانی کی اجازت دے، جو ایک وفاقی شرعی عدالت کا تصور دے (گویا کہ دوسری تمام عدالتیں غیر اسلامی ہیں)، جو غیر مسلموں (یعنی یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں وغیرہ) کو اولوالامر میں شامل کر کے انہیں گورنر، وزیر حتیٰ کہ چیف جسٹس بننے کی اجازت دے، جو عوامی نمائندوں کے حلف میں قرآن وسنت کے تحفظ کو اس لیے شامل نہ کرے کہ وہی حلف مسلم نمائندوں نے اُٹھانا ہوتا ہے اور وہی غیر مسلموں نے اور جو متعدد دیگر غیر شرعی دفعات کی حامل ہو، کیا اسلامی ہے؟

اس کے جواب میں ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ:

۱- یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ شارع نے عقائد، عبادات اور اخلاق کے بارے میں عموماً تفصیلی ہدایات دی ہیں لیکن معاملات میں بالعموم یہ اسلوب اختیار نہیں فرمایا ہے بلکہ صرف ایسے پالیسی اصول بیان کر دیے ہیں جن میں تغیر کی ضرورت نہ تھی اور وہ تفصیلات عمداً بیان نہیں

فرمائیں جن میں وقت، مقام اور حالات کی تبدیلی سے تغیر وتبدل کا امکان تھا اور انہیں امت (کے اہل علم یعنی مجتہدین) پر چھوڑ دیا کہ وہ ان تفصیلات کا تعین کر لیں۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سیاست میں بھی کچھ اصولی اور بنیادی چیزیں شارع کی طرف سے مستقل عطا کر دی گئی ہیں، جیسے شوری، عدل، مساوات وغیرہ تاہم تفصیلی سیاسی ڈھانچہ جن فروعات کا محتاج ہوتا ہے وہ اجتہاد کا موضوع ہیں کیونکہ وہ حالات اور وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔جس طرح منصوص امور کا نا قابل تغیر ہونا مفید ہے اسی طرح اجتہادی آراء کا وقت، مقام اور حالات کے ساتھ بدلتے رہنا مفید ہے اور قرون ماضیہ میں کیے گئے اجتہادات کو مقدس اور انہیں نا قابل تغیر سمجھنا ایک نقصان دہ رویہ ہے۔

۲- 'مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل قرآن وسنت ہیں' یہ ایک ایسا متفقہ اصول ہے کہ اس کے بارے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہوسکتی لیکن مسلمان ریاست کا دستور العمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ ایک مختلف بات ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس دستور العمل کا وہ حصہ جو قرآن وسنت کے منصوص احکام پر مشتمل ہے، وہ نا قابل تغیر ہے لیکن اس دستور العمل کا وہ حصہ جو نصوص سے استنباط، ان کے عملی اطلاقات اور انتظامی امور سے تعلق رکھتا ہے مبنی بر اجتہاد ہوگا اور بدلتا رہے گا اور زمانے، مقام اور حالات کے بدلنے سے اس کا بدلتے رہنا ہی مفید ہے۔مثلاً امیر کا انتخاب کیسے ہوگا اور اس کے اختیارات کیا ہوں گے؟ مجلس شوریٰ کیسے وجود میں آئے گی؟ اس کے ارکان کی صفات کیا ہوں گی اور اس کے اختیارات کیا ہوں گے؟ عدلیہ کے ارکان کون ہوں گے؟ ان کا انتخاب یا تعین کون کرے گا؟ ان کے اختیارات کیا ہوں گے؟ ریاست کے کتنے صوبے ہوں گے؟ گورنروں کے اختیارات کیا ہوں گے؟ کیا وزراء یا وزیر (یعنی وزیر اعظم) مقرر کیا جائے گا یا نہیں؟ مقرر کیا جائے گا تو اس کے اختیارات کیا ہوں گے؟ یہ اور دوسرے بہت سے سوالات ایسے ہیں جن کے جوابات ہمیں قرآن وسنت کی نصوص سے براہ راست نہیں ملتے اور جن کے جوابات مسلمان اہل علم (مجتہدین) کو اجتہاد کر کے دینے چاہئیں۔خلافت راشدہ کے زمانے میں ان سوالوں کا جو جواب صحابہ کرام اور خلفاء راشدین نے دیا، وہ ہمارے پاس موجود ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ حل اس زمانے، اس عہد اور اس وقت کے حالات وضروریات کے مطابق تھا اور بعد کے زمانے، عہد اور بدلے ہوئے حالات پر ان کا بعینہ اطلاق نہیں کیا جا سکتا اور نہ ایسا کیا جانا منشائے شریعت ہے بلکہ اس کے لیے تازہ اجتہاد کی ضرورت ہے جسے اسلامی ریاست کے دستور کا حصہ ہونا چاہیے۔مثلاً آج کے حکمران اگر خلفاء راشدین کی طرح نیک، متقی اور خوف خدا رکھنے والے

نہیں ہیں تو خلفاء راشدین کی طرح آج خلیفہ/امیرالمومنین /صدر/ وزیر اعظم میں ارتکاز اختیارات کیوں رکھا جائے؟ اسے تاحیات امیر رکھنے کی بجائے کچھ مدت کے لیے مقرر کرنے پر غور کیوں نہ کیا جائے؟ خلیفہ/امیر یعنی انتظامی سربراہ میں ارتکاز اختیارات مطلوب نہ ہوتو بعض اختیارات عدلیہ اور مقنّنہ (فقہاء اور مجتہدین) کو دینے میں کیا ہرج ہے؟ اسی طرح کا معاملہ سول اور فوجی افسران کا بھی ہے۔ پھر ریاست مدینہ میں ارتکاز اختیارات دارالحکومت میں تھا، خلافت راشدہ کے آخری دور میں یہ صورتِ حال بدلنا شروع ہوگئی تھی۔ آج بھی اس پر نئے حالات میں غور کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح مسلم خلافت میں وزارت تنفیذ اور وزارت تفویض کا تصور رہا ہے۔ اوّل الذکر میں خلیفہ آج کے صدارتی نظام کی طرح مقتدر اور سربراہ انتظامیہ (چیف ایگزیکٹو) ہوتا تھا جب کہ وزارت تفویض پارلیمانی طرز کے قریب تھی جس میں زیادہ اختیارات وزیر (وزیراعظم) کے پاس ہوتے تھے اور خلیفہ بڑی حد تک دستوری سربراہ ہوتا تھا۔ آج بھی اسلامی مملکت میں اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کون سی صورت اختیار کی جائے یا دونوں کو مخلوط کر دیا جائے.....وغیرہ۔

دستور کا یہ حصہ اگر مختلف اسلامی ممالک کے دساتیر میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتو بھی اس میں کوئی ہرج نہیں، وہ اسلامی ہی رہے گا اور اسے اسلامی دستور ہی کہا جائے گا۔

۳- ہمارے عہد کا سب سے بڑا فتنہ اور چیلنج مغربی فکر وتہذیب کا ہے۔ مسلم معاشرے کے زوال کے بنیادی اسباب داخلی تھے لیکن جب یہ کمزور ہوا تو اس کا تختہ الٹنے میں مغربی معاشرے نے اہم کردار ادا کیا۔ یورپ نے مسلم علاقوں کو کچلا، لوٹا، ان کا نظامِ اجتماعی توڑا، ان کی خلافت ختم کی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آج بھی وہ مسلمانوں کو ان کا نظم اجتماعی قائم کرنے میں مزاحم ہے اور اپنا سیاسی، معاشی، تعلیمی، قانونی، عدالتی.....نظام ترغیب وترہیب سے مسلم معاشروں پر تھوپے ہوئے ہے۔

مغربی تہذیب نے عیسائیت کو کونے کھدروں میں دھکیل کر اسے غیر موثر بنا دیا اور ذاتی زندگی میں معمولی کردار ادا کرنے پر اسے مجبور کر دیا اور سارا نظام حیات جن اصولوں پر قائم کیا وہ یہ ہیں:

☆ **ہیومنزم** یعنی انسان آزاد اور خودمختار ہے بلکہ مختار مطلق ہے۔ وہ کسی خدا کا عبد نہیں اور نہ کسی رسول کا مطیع ہے۔

☆ **سیکولرزم**: اگر کسی فرد نے خدا اور مذہب کو ماننا ہے تو اپنی ذاتی زندگی میں اسے مانے لیکن اجتماعی زندگی اور سارے نظام حیات میں خدا، رسول اور مذہب کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔

☆ **کیپٹل ازم**: دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے لہٰذا ساری انسانی جدوجہد دنیاوی خوشحالی اور سہولتوں کے لیے ہونی چاہیے، آخروی زندگی کے وہم میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

☆ **ایمپریسزم**: عقل وحواس علم کا منبع ہیں وحی کوئی چیز نہیں۔

ان اصولوں کا خلاصہ ہے: خدا، رسول، آخرت اور وحی کی نفی اور انسان کا آزاد وخودمختار ہونا۔

ان اصولوں کی اساس پر جو سیاسی نظام اہل مغرب نے تشکیل دیا اس کے اہم ادارے یہ ہیں: ۱- **دستور**: فرد چونکہ خودمختار ہے لہٰذا افراد کا مجموعہ یعنی عوام بھی اپنے حاکم آپ ہیں لہٰذا بغیر کسی حدود وقیود کے اپنی ریاست کے لیے جیسا دستور وہ چاہیں بنا سکتے ہیں۔۲۔**جمہوریت** یعنی حکومت عوام کے نمائندے کریں گے اور جو قانون عوام چاہیں گے وہ بنائیں گے چنانچہ مغرب کے پارلیمان سود، شراب، جوئے، زنا، لواطت، ہم جنس شادی وغیرہ کو جائز اور قانونی قرار دے چکے ہیں۔ ۳- **الیکشن**: چونکہ اقتدار کے مالک عوام ہیں لہٰذا وہ جسے چاہیں منتخب کر کے حکمران بنائیں۔۴- **نیشنلزم**: ریاست وسیاست کی بنیاد وطن ہے جس کی اساس زبان، نسل، رنگ، علاقے کے اشتراک پر ہے۔

خلاصہ یہ کہ مغربی فکر اور اس کا ورلڈ ویو سو فیصد خلاف اسلام ہے اور اس ورلڈ ویو پر مبنی جو سیاسی نظام انہوں نے تشکیل دیا ہے وہ بھی ان کی تہذیب اور ان کے نظام وحیات ومقاصد کے مطابق ہے اور اسلامی نظامِ زندگی کے برعکس ہے۔

علاوہ ازیں مغربی فکر وتہذیب کے علمبردار ممالک اسلام اور مسلمانوں کو اپنا حریف اور دشمن سمجھتے ہیں جو ان کی رائے میں ان کی تہذیب کے عالمگیر غلبے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔لہٰذا پہلے انہوں نے مسلمانوں کو شکست دی، کچلا، لوٹا، انہیں غلام بنایا۔ پھر غلام بنائے رکھنے کے منصوبے بنائے اور جب مجبوراً دوسری جنگ عظیم کے بعد انہیں مسلم ممالک کو کچھ آزادی دینا پڑی تو انہوں نے پرامن طریقے سے ہر حربہ آزمایا تاکہ مسلمان ذہنی وفکری بلکہ عملی طور پر ان کے غلام ہی رہیں۔ اس میں بھی انہیں خاصی کامیابی ملی اور اقتدار مسلم معاشروں میں عموماً ان کے گماشتوں کے ہاتھ میں رہا اور جہاں کہیں اسلامی جماعتوں کو انتخابات میں کامیابی ملی بھی تو انہوں

نے سازشوں سے انہیں اقتدار منتقل نہیں ہونے دیا۔ان کے مظالم کی جس نے مسلح مزاحمت کرنے کی کوشش کی اسے دہشت گرد قرار دے کر وہ اس پر چڑھ دوڑے اور جس نے اسلام کا صحیح سیاسی نظام اور خلافت وامارت قائم کرنے کی کوشش کی انہوں نے اسے ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔

خلاصہ یہ کہ مغربی جمہوریت خلاف اسلام ہے اور اس میں کچھ اسلامی اصول داخل کر کے اسے'اسلامی جمہوریت' قرار دے کر قبول کر لینے کے نتائج نہایت منفی اور تباہ کن نکلے ہیں اور اس کے نتیجے میں اسلام تو آیا نہیں البتہ مغربی تہذیب ضرور مسلم معاشروں پر غالب آ گئی ہے۔گویا مغربی تہذیب کے علمبردار ممالک (خصوصاً امریکہ ویورپ) اسلام کے سیاسی نظام کے قیام کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں جنہوں نے مسلم ممالک میں حکمرانوں کو اپنا گماشتہ بنا رکھا ہے اور ان سے اپنے مفادات کے لیے کام لے رہے ہیں۔

## خلاصۂ بحث

اس وقت تک ہم نے جو کچھ کہا ہے اسے یوں سمیٹا جا سکتا ہے:

۱۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان اسلام کے سیاسی نظام کے قیام اور خلافت کے احیاء کے لیے بھرپور جدوجہد کریں۔

۲۔ مغربی تہذیب کے علم بردار ممالک (امریکہ ویورپ) اور ان کے گماشتہ مسلم حکمران اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

۳۔مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ شعوری طور پر مغرب کے سیاسی نظام (دستور، جمہوریت، نیشنلزم وغیرہ) کو ردّ کر دیں۔

۴۔مسلمان علماء وفقہاء کو چاہیے کہ وہ مل کر متفقہ طور پر آج کی اسلامی ریاست وسیاست وخلافت کے لیے اسلامی اصولوں (یعنی قرآن وسنت اور اجتہاد) پر مبنی ایک قابلِ عمل نقشہ تیار کریں (اسے مسلم ریاست کا نظام العمل / دستور/مجموعہ قواعد وضوابط/اساسی قانون یا دوسرا کوئی بھی نام دیا جا سکتا ہے) اور مسلمان عوام کی مدد سے اس کے نفاذ کی کوشش کریں۔اس میں قرآن و سنت کو دستور ماننے کے بعد انتظامی ضروریات کے لیے تفصیلات تازہ اجتہاد کی صورت میں وضع کی جا سکتی ہیں اور اس میں کوئی گناہ یا برائی نہیں بلکہ ایسا کرنا ضروری اور ناگزیر ہے۔ **ھذا من عندنا والعلم عنداللہ .**

ملی مجلس شرعی

پروفیسر ملک محمد حسین

# میں بھی حاضر تھا وہاں

## ملی مجلس شرعی کے ایک اہم اجلاس کے بارے میں تاثرات

اللہ رب العزت مولانا حافظ فضل الرحیم نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور کو اعلیٰ ترین مقام اور معاشرے میں بلند ترین عزت و احترام سے نوازے کہ جناب نے 10 ستمبر 2015ء بروز جمعرات ملی مجلس شرعی کے ایک اہم اجلاس کی میزبانی کی۔ ڈاکٹر محمد امین سیکرٹری جنرل ملی مجلس شرعی نے مجھے بھی اجلاس میں شریک ہونے کی سعادت عطا فرمائی۔ اجلاس میں مفتی محمد خان قادری، مولانا زاہد الراشدی، مولانا احمد علی قصوری، مولانا عبدالمالک اور مختلف مسالک کے دیگر جید علماءِ کرام کے ساتھ جسٹس (ر) میاں نذیر اختر اور جسٹس (ر) سعید الرحمٰن فرخ جیسی علمی اور قانونی شخصیات کی پُر وقار اور پُر نور مجلس میں بیٹھنا مجھ جیسے کم علم اور عامی شخص کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔

ملی مجلس شرعی ایک عرصے سے اتحاد بین المسالک کے ساتھ ساتھ اہم قومی اور ملی مسائل پر بھی اپنا مثبت رول ادا کر رہی ہے۔ مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب نے جو متحدہ علماء بورڈ پنجاب کے صدر بھی ہیں ایک جامع اور مربوط ضابطۂ اخلاق برائے مسلمانانِ پاکستان پیش کیا کہ جس پر اگر خلوصِ دل سے عمل کیا گیا تو ان شاء اللہ اس ملک سے فرقہ واریت کی لعنت ختم کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ دیگر علماءِ کرام نے ضابطہ اخلاق کی تحسین کی اور تجویز پیش کی کہ اس ضابطہ اخلاق کو قانون کی شکل دے کر صوبائی اسمبلی سے پاس کرایا جائے۔ اس مجلس میں ممتاز قادری کیس بھی زیر بحث آیا اور ساتھ ہی جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے مذہبی خیالات و آراء پر گرفت بھی کی گئی نیز علمی سطح پر اقدامات کے ذریعے عامتہ الناس کو اور خصوصاً علمی حلقوں کو جناب غامدی صاحب کے مین سٹریم سے ہٹے ہوئے خیالات کے بارے میں آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

مجلس میں سب سے اہم ایشو جو زیر بحث آیا وہ 21ویں آئینی ترمیم کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ ہے جس میں تین امور یعنی جمہوریت، پارلیمانی نظام اور عدلیہ کی آزادی کے

سوا پارلیمنٹ ہر قسم کی آئینی ترامیم کرنے میں لامحدود اختیارات رکھتی ہے۔ بتایا گیا کہ یہ بہت خطرناک فیصلہ ہے کیونکہ اس فیصلہ میں دستور کے اسلامی ڈھانچے خصوصاً قراردادِ مقاصد اور دستور میں شامل دیگر اسلامی دفعات بشمول "ریاست کا مذہب اسلام ہوگا" کو تحفظ فراہم نہیں کیا گیا جس کا نقصان یہ ہوگا کہ ملک کی سیکولر لابی متحرک ہو جائے گی جب کہ قانونی اور عدالتی حلقوں میں بھی سیکولر ذہن موجود ہے اور اس طرح پارلیمنٹ کے ذریعے دستور کے اسلامی ڈھانچے کو مسمار کرنے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ ملی مجلس شرعی کے پلیٹ فارم سے فیصلہ کیا گیا کہ سپریم کورٹ میں ریویو پٹیشن دائر کی جائے اور اس سلسلہ میں ملک کے تمام طبقات کو بھی ایجوکیٹ کیا جائے اور قانونی جدو جہد کے ذریعے سپریم کورٹ کے مذکورہ بالا فیصلے کو ختم کر دیا جائے۔

ملی مجلس شرعی کے اس اجلاس میں مجھے کئی سالوں کے بعد حاضر ہونے کا موقع ملا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ ملی مجلس شرعی میں شامل مختلف مسالک کے علماءِ حق جس جان فشانی سے اسلامی ملی ایشوز پر محنت اور تندہی کے ساتھ جدو جہد فرما رہے ہیں اس سے حوصلہ ہوتا ہے کہ وطنِ عزیز کا سلامی تشخص ان شاء اللہ سربلند رہے گا اور طاغوت، خواہ مقامی ہو یا بین الاقوامی، اس کی سازشیں کامیاب نہیں ہوں گی۔ مولانا حافظ فضل الرحیم نے میزبانی کا اعلیٰ معیار برقرار رکھتے ہوئے شرکاءِ محفل کو آخر میں عمدہ عشائیہ پیش کیا۔ اس مجلس کے حوالہ سے کئی سالوں کے بعد اس ناچیز کو جامعہ اشرفیہ جانے کا موقع ملا۔ الحمدللہ! جامعہ اب بہت بڑی اسلامی یونیورسٹی کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو مسلم امہ کی علمی اور عملی راہنمائی کے لیے زیادہ سے زیادہ قوت اور وسائل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

---

☆ حسد اس لیے نہیں کرنا کہ خالق ہی رتبے دیتا ہے۔

☆ غضب اس لیے نہیں کرنا کہ جدو جہد کا مقصد رضائے الٰہی ہے۔

☆ حرص اس لیے نہیں کرنا کہ ہم مملوک ہیں، مالکِ دنیا نہیں۔

☆ شہوت سے اس لیے بچنا ہے کہ لذات وخواہشات کی تکمیل کی جگہ آخرت ہے، دنیا نہیں۔

فهم دین

سید خالد جامعی ☆

# متجددین کا اسلوب دعوت اور طریق کار

## [۲۸] عورت اور مرد مساوی ہیں

اسلامی اور روایتی تہذیبوں میں مساوات نہیں ہوتی، عورت مرد انسان نہیں عبد ہوتے ہیں اور عبدیت میں برابر ہوتے ہیں، معرفتِ رب جنس کی تفریق کی بنیاد پر حاصل نہیں ہوسکتی، یہ عمل کا میدان ہے۔ مذکر مونث کا فرق یہاں موجود نہیں، روایتی اور مذہبی تہذیبوں میں مراتب وجود ہوتے ہیں، لوگوں کے درجات متعین ہوتے ہیں، ان تہذیبوں میں مرد مرد کے برابر نہیں ہوتا تو مرد عورت کی مساوات کا کیا سوال؟ ہر وجود کا مرتبہ اس کے وجود اور عمل سے متعین ہوتا ہے۔

## [۲۹] اسلام محض ایک ثقافتی تحریک ہے

نئی نئی اصطلاحات کی تخلیق کے ذریعے جدیدیت پسند اسلام کو ایک متنوع الخیال دین بلکہ چیستان بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کو دین کی بجائے ایک ثقافتی تحریک یا تاریخی تحریک باور کراتے ہیں۔ اسی اصول کے تحت مغربی یونیورسٹیوں میں اسلام یا مذاہب عالم کو ایک مذہب کے طور پر پڑھا اور پڑھایا نہیں جاتا بلکہ اسے ثقافتی مطالعات (Cultural Studies) کے عنوان کے تحت رکھا جاتا ہے، مقصود یہ بتانا ہوتا ہے کہ اسلام کوئی علم، علمیت، حقیقت نہیں، محض ایک ثقافتی رویہ ہے، جو تاریخی تجربے کے نتیجے میں ایک قوم کی میراث قرار پایا ہے، جس کی کوئی علمی، علوی، نبوی اور آسمانی بنیاد نہیں ہے۔

## [۳۰] صحیح، کامل اور ابدی مذہب کے اوصاف

اِن کے نزدیک ایک صحیح، کامل اور ابدی مذہب کے اوصاف درج ذیل ہیں:

۱۔ مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ کہ تقلید۔

۲۔ کوئی عقیدہ مذہبی عقل کے خلاف نہ ہو۔

---

☆ ناظم شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی

۳۔عبادات کے یہ معنی نہ قرار دیے جائیں کہ وہ مقصود بالذات ہیں اور خدا ہماری تکلیفات شاقّہ اٹھانے سے خوش ہوتا ہے، بلکہ عبادات سے خود نوع انسانی کا فائدہ مقصود ہے اور وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہوں۔

۴۔دینی اور دنیوی فرائض کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے کہ ایک سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائے۔

۵۔مذہب تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ دے سکے بلکہ خود اس ترقی کا رستہ دکھائے۔

[شبلی علم الکلام اور اسلام ص ۱۷۴، مسعود پبلشنگ ہاوس کراچی طبع دوم ۱۹۶۷ء]

## [۳۱] اسلام کو سائنس کے مطابق ثابت کرنا

اِن کی کوشش ہوتی ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح سائنس کے مطابق ثابت کیا جائے، تاکہ اسلام کی حقانیت اور فوقیت واضح ہو۔ حالانکہ اصلاً اِس طریقے کے نتیجے میں سائنس ہی کی حقانیت ثابت ہوتی ہے اور مذہب کو لوگ سائنس کے بنائے ہوئے اُصولوں پر پرکھنے لگتے ہیں، سائنس پیمانۂ حق و باطل بن جاتی ہے، الدین، الحق، الوحی پیمانہ حق و باطل نہیں بنتا۔ یہ کام خواہ کتنی نیک نیتی سے کیا جائے لیکن اس کا نتیجہ گزشتہ سو برس کی تاریخ میں یہی نکلا ہے۔

## [۳۲] اسلام، لبرل ازم کی طرح آزادی کا قائل ہے

اِن کا نظریہ ہے کہ: جتنی شخصی آزادیاں لبرل ازم نے دی ہیں اسلام میں اِس سے زیادہ آزادیاں ہیں اور اگر زیادہ نہیں ہیں تو لبرل ازم سے کم بھی نہیں ہیں، لیکن فقہی قانونی روایتی اسلام نے جو اجماع امت، مسلک جمہور، اہل السنۃ والجماعۃ، منہاج اہل سنت کی اصطلاحات میں اسلامی علمیت کا اجارہ دار ہے، اس نے اسلام میں حاصل آزادیوں کے چہرے پر روایتوں قانونی فقہ، اور چند علماء یا چند مکاتب کے متفق علیہ چند غیر عقلی اصولوں کا پردہ ڈال رکھا ہے، لبرل ازم سے ہم نے اسلام میں آزادی کی روایت کی قدر و قیمت پہچانی ہے اور اپنے گمشدہ سرمایہ آزادی کی باز یافت کی ہے، فی الاصل لبرل ازم نے آزادی کی متاع بے بہا اسلامی تاریخ اور علمیت سے حاصل کر کے دنیا کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور ہم وہ آزادی بھی دینے پر تیار نہیں جو اسلام نے دی ہے۔ اِس صورت میں لبرل ازم کا مقابلہ کیسے ممکن ہو؟ دونوں میں قدر مشترک آزادی ہے، مگر اسلامی علمیت کے ورثا یعنی علماء عقیدۂ آزادی کو تسلیم ہی نہیں کرتے، یہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ

آزادی اسلام نے دی لیکن شریعت کی تمام پابندیاں ہوں تو آزادی کے کیا معنیٰ ؟

## [۳۳] مغربی اساسات اور اسلامی اساسات میں کوئی فرق نہیں

اِن کا کہنا ہے کہ: مغرب کا بنیادی حقوق کے اطلاق اور نفاذ کے حوالے سے عالم اسلام اور عالم کفر کے لیے دوہرا معیار اس کی منافقت ہے، دوسرے معنوں میں اصل معیار تو وہی ہے یعنی انسانی حقوق جو مغرب نے طے کر دیا ہے، مسئلہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے معیارات کے مطابق عالم اسلام کو وہ آزادی عطا نہیں کر رہا جو کفار کو عطا کر رہا ہے جس کے باعث مسلمانوں میں محرومی کا احساس عام ہے۔ یعنی اصولی طور پر مغرب کے عقائد یا ایمانیات، اصول ومبادی، اساسات اور اسلام کے اصول مبادی میں کوئی فرق نہیں۔

## [۳۴] جو حقیقت وحی سے، الہام سے یا عقل سے ملے وہی حقیقت ہوتی ہے۔

غامدی صاحب نے اپنی کتاب 'مقامات' (۲۰۰۶ء) میں ص ۱۳۲ پر یہ انکشاف کیا ہے۔

## [۳۵] جو غیب عقل میں نہ آئے، اسے ماننا ضروری نہیں

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ:

''ایمان بالغیب کے معنی یہ ہیں کہ وہ حقائق جو آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے انہیں انسان محض عقلی دلائل کی بنیاد پر مان لے۔ بن دیکھے مانے، مگر بن سوچے سمجھے نہیں، یعنی وہ چیزیں جو دیکھی نہیں جا سکتیں انھیں عقل کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے، مگر ایسی چیزوں کو دیکھنے کا تقاضہ، ان کا تجربہ کرنے کا مطالبہ اصلاً سب سے بڑی بے عقلی ہے، قرآن کے حقائق بے شک حواس سے ماوراء ہیں، لیکن عقل سے ماوراء نہیں ہیں، قرآن کے غیبی حقائق کو ہم نے عقل کی میزان میں تولا اور غیب پر ایمان لائے، ایمان بالغیب کے معنی یہی ہیں کہ ہم انھیں عقل وفطرت کے قطعی دلائل کے طور پر مانتے ہیں، اِس بات پر اصرار نہیں کرتے کہ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ہی مانیں گے۔'' [مقامات ۲۰۰۶ء، ص ۶۸، ۶۹]

حالانکہ لفظ غیب لغت میں ایسی چیزوں کے لیے بولا جاتا ہے جو نہ بدیہی طور پر انسان کو معلوم ہوں، اور نہ انسان کے حواسِ خمسہ اس کا پتہ لگا سکیں۔ اور قرآن میں لفظِ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اور ان کا علم بداہتِ عقل اور حواس خمسہ کے ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

## [۳۶] مغربی بینکاری کے بانی نبی کریم ﷺ ہیں

یہ کہتے ہیں کہ: مغربی بینکاری نظام کے اصل بانی حضورؐ، حضرت عروہ بن زبیرؒ اور امام ابوحنیفہؒ ہیں، یہ سب لوگوں کی امانتیں اپنے پاس رکھتے تھے، رسول اللہ نے ہجرت سے پہلے یہ امانتیں حضرت علی کے سپرد کی تھیں کہ اب بینک بند کیا جارہا ہے رقم کھاتے داروں کو واپس کردو۔

## [۳۷] جدید سیکولر یونیورسٹی کا تصور 'صفہ' سے لیا گیا ہے

ان کا کہنا ہے کہ: جدید سیکولر یونیورسٹی آکسفورڈ کیمبرج وغیرہ کا تصور مغرب نے مسجد نبوی میں قائم دنیا کی پہلی یونیورسٹی صفہ سے اخذ کیا ہے۔

## [۳۸] لاادری کہنا سب سے بڑی جہالت ہے

جدیدیت پسندوں کا خیال ہے کہ لاادری کہنا سب سے بڑی جہالت ہے، لہٰذا ہر مسئلے ہر معاملے ہر عقدے پر آزادانہ بے باکانہ رائے دینا علم کا تقاضا ہے، خواہ وہ اس بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں۔

جدیدیت پسند مسلم مفکرین عموماً اپنے علم میں خود کفیل ہوتے ہیں، انہیں دنیا کا ہر علم حاصل ہوتا ہے، لہٰذا وہ کسی سے علم حاصل کرنے کی حاجت محسوس نہیں کرتے اور وہ آزادی اظہار رائے کے سب سے بڑے وکیل اور اسی خجرِ مغرب کے سب سے بڑے قتیل ہوتے ہیں۔

## [۳۹] زکوٰۃ ٹیکس ہے، روزانہ یا ماہانہ کی بنیاد پر ہونی چاہیے

زکوٰۃ ٹیکس ہے، اسلامی ریاست میں حکمران صرف زکوٰۃ کا Tax لگا سکتے ہیں، اس کے سوا کوئی اور محصول [Tax] حرام ہے، اگر مفاد امت میں محصول لگانا لازم ہو تو یہ کام صرف اور صرف امت کے علماء اور فقہاء کی اجازت سے اس وقت ہوسکتا ہے جب بیت المال خالی ہو، ورنہ یہ حرام ہے، حدیث ہے: ''ٹیکس وصول کرنے والا جہنمی ہے۔''

زکوٰۃ کا نصاب وہ نہیں ہے جو فقہاء نے بیان کیا ہے، نوکری کرنے والا ہر مہینے اپنی تنخواہ پر بیس فی صد زکوٰۃ دے، کاروبار کرنے والا ہر روز کے منافع پر بیس فی صد زکوٰۃ دے، زکوٰۃ سالانہ بنیاد پر نہیں، عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق روزانہ یا ماہانہ بنیاد پر ہوگی، دیگر امور میں یہ سالانہ بنیاد پر دی جاسکتی ہے۔

## [۴۰] تنقید وتحقیق کا رخ مغرب کے بجائے اسلام کی طرف

کوئی جدیدیت پسند مفکر مغرب پر تنقید نہیں کرتا، زیادہ سے زیادہ تنقید یہ ہوتی ہے کہ مغرب سراسر خیر ہے، بس وہ کلمہ پڑھ لے اور عریانی فحاشی ترک کر دے، اس کے سوا مغرب میں انہیں کوئی بڑی، اہم، بنیادی، خلقی، باطنی، خامیاں نظر نہیں آتیں، بلکہ اکثر یہ کہتے ہیں کہ مغرب اسلام ہی کی ایمان سے محروم ترقی یافتہ مگر محرف شکل ہے، اس کا ظاہر ٹھیک ہے، باطن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ تمام جدیدیت پسند مسلم مفکرین مغرب کی تاریخ، فلسفے، سائنس، نظریات، اداروں کے بارے میں تنقیدی تحقیق کرنے کی بجائے تحقیق کا رخ اسلام کی طرف موڑ دیتے ہیں اور تمام خامیاں، غلطیاں، کوتاہیاں، گمراہیاں انہیں پہلی صدی میں ہی اسلام، تاریخ اسلام، صحابہ، علماء، فقہاء، صوفیا، مجتہدین میں نظر آنے لگتی ہیں۔ اسلامی علوم، اسلامی شخصیات، اسلامی ریاستیں انہیں حقیر دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی تنقید وتحقیق کا رخ مغرب کی بجائے اسلامی تاریخ، اسلامی اصطلاحات شخصیات علامات اور ادارے ہوتے ہیں۔ تمام تحقیقات، تنقیدات، اعتراضات، شبہات، سوالات کا ہدف اسلام، اسلامی تاریخ اسلامی علمیت، فقہ اور اکابرین امت ہوتے ہیں، ایک ایک کو چن چن کر نشانہ بناتے ہیں۔ اسلامی علمیت سے جو مسئلہ ان کے سامنے ثابت ہو وہاں کہتے ہیں سمعنا وعصینا کہ میں نے دین کا مسئلہ سن لیا مگر میں اس کی تکذیب کرتا ہوں، اسے قبول نہیں کرتا۔ اور مغربی علمیت مغربی تاریخ سے جو نتیجہ، نظریہ، اصول، دلیل سامنے آئے اسے سنتے ہی کہتے ہیں سمعنا واطعنا کہ میں نے آپ کا فرمان سن لیا اور میں دل وجان سے اس کی اطاعت، قبولیت کا اقرار کرتا ہوں۔

## [۴۱] مذہبی کام کو اپنا حق سمجھ کر کرنا، نہ کہ خدا کا حکم سمجھ کر

کسی مذہبی کام، مذہبی عمل کی اجازت کے لیے حق [Right] کی اصطلاح کو استعمال کرنا کہ یہ میرا حق ہے، نہ کہ ایک خیر کو انجام دینے کے لیے اسے خیر مطلق Absolute Good کے طور پر پیش کرنا کہ یہ میرے اور تمہارے رب کا حکم ہے۔ منشور بنیادی حقوق کے اس طریقے کو اختیار کرنے کے نتیجے میں حق کی بحث حق کی سیاست [Politics of Rights] شروع ہو جاتی ہے اور خیر کی بحث خیر کی سیاست [Politics of Good] ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جہاں بھی منشور بنیادی حقوق کو اہمیت حاصل ہوتی ہے ان معاشروں میں تمام جدوجہد صرف اور صرف مادی معاشی فلاحی حقوق سے وابستہ ہو جاتی ہے، مفاد پرستی اور مادہ پرستی کی

جدوجہد خواہش طلب جستجو کے سوا کوئی دوسری خواہش طلب باقی ہی نہیں رہتی۔

## [۴۲]مغرب کے''حقوق انسانی''اور اسلامی''حقوق العباد''ایک ہیں:

کہتے ہیں: مغرب کے منشور حقوق انسانی میں عطا کردہ انسانی حقوق اصلاً حقوق العباد ہیں، یہ حقوق سب سے پہلے قرآن نے دیے اور خطبہ حجۃ الوداع میں ان کو دہرایا گیا۔

جدیدیت پسندوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ منشور حقوق انسانی میں''انسان'' سے مراد کون ہے؟ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا کی ہر تہذیب میں حقوق ہوتے ہیں لیکن وہ مجرد حقوق نہیں ہوتے وہ کسی نہ کسی تصور خیر اعلیٰ [concept of hyper good] سے نکلتے ہیں، حقوق العباد کا تعین کتاب اللہ کرتی ہے، کیونکہ یہ حقوق بندوں کے لیے ہیں، اس لیے یہ حقوق اس انسان کے لیے ہیں جو اللہ کی بندگی کا قائل ہے، وہ ہر کام خدا کو برتر ہستی سمجھ کر کرتا ہے۔ اس کے برعکس انسانی حقوق ایک ایسے فرد کے لیے ہیں جو مطلق آزاد ہے، جو کسی خدا کو نہیں مانتا، جس کا ایمان صرف اور صرف آزادی میں مسلسل و مستقل اضافے پر ہے، جو کسی کو جواب دہ نہیں، جو فاعل مختار مطلق ہے، جو حق خودارادی کا حامل [Right of self determination] فرد ہے، جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور جس کا مقصد آزادی میں، لذتوں میں، معیار زندگی میں مسلسل و مستقل اضافہ ہے۔

اسلام ایسے تصورات کو ہی تسلیم نہیں کرتا، لہٰذا یہ کہنا کہ مغرب کے حقوق انسانی اور اسلام کے حقوق العباد ایک ہیں، مغرب اور اسلام کی مابعد الطبیعیات سے ناواقفیت کا شاخسانہ ہے، مثلاً ایک مذکر عبد کسی مرد سے شادی کرنا چاہے تو اسلام میں یہ اس کا حق نہیں ہے، اگر وہ اس خواہش پر عمل کرے تو اس کی سزا نہایت عبرتناک ہے، جبکہ حقوق انسانی کے منشور کے تحت ہر فرد آزاد ہے اور Right of association، Right of Freedom، Right of self determination کے تحت عورت عورت سے، مرد مرد سے جڑ سکتا ہے، شادی کر سکتا ہے، یہ اس کی مرضی ہے، خواہش ہے، آزادی ہے، اس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی جا سکتی۔

جرمنی میں جانوروں کے قحبہ خانے میں ایک لاکھ جرمن لوگ جانور کرائے پر لے کر ان سے جنسی تمتع کرتے ہیں، جانور تک پریشان ہیں کہ کس معاشرے میں پیدا ہو گئے ہیں۔ حقوق العباد کے نظام میں عبد کی خواہشات کا تعین قرآن وسنت کریں گے، حقوق انسانی کے نظام میں عبد کی خواہشات کا تعین فرد اس نظام زندگی کے طے کردہ اصول اور منہج کے اندر کر سکے گا، یعنی اس کی

خواہش تمنا آزادی [Freedom] کے اصول کے خلاف نہ ہو اور ارادہ عامہ [General Will] سے متصادم نہ ہو۔ ذاتی زندگی میں اپنے کمرے میں، تنہائی میں نجی دائرے میں آزادی اور ارادہ عامہ کے خلاف نہ ہو تو جو چاہے کرے، کیونکہ اس میں کوئی مداخلت نہیں کرسکتا، لیکن اگر وہ اس دائرے کو بیوی بچوں خاندان محلے تک اس طرح وسیع کرے کہ لوگوں کی آزادی اور آزادی کے نظام کو خطرہ لاحق ہو تو اسے بلیک پینتھر موومنٹ کے ہزاروں کارکنوں کی طرح قتل کردیا جائے گا، اگر وہ نظام سرمایہ داری کے لیے مہیب خطرہ نہیں بنتا، صرف گھر والوں محلے والوں کے لیے مسائل پیدا کرے تو قانون حرکت میں آکر اس کی آزادی کو صرف اس کے نجی دائرے تک محدود کردے گا اور دائرہ توڑنے پر اسے سزا بھی دے گا۔

## [۴۳] نکاح ایک معاشرتی معاہدہ ہے

کہتے ہیں: نکاح ایک معاشرتی معاہدہ [Social Contract] ہے دو فریقوں کا معاہدہ [Agreement] ہے، جسے جب چاہے ختم کیا جاسکتا ہے۔

نکاح ایک معاشرتی معاہدہ نہیں ایک دینی' روحانی' ایمانی معاہدہ ہے، یہ پیغمبر کی سنت ہے اور نسل آدم کی ضرورت ہے، خطبہ نکاح میں اللہ کو گواہ بنا کر اس معاہدے کا اقرار کیا جاتا ہے، یہ معاہدہ زندگی بھر ساتھ نبھانے کے ربانی روحانی عہد کے ساتھ عمل میں آتا ہے، اس لیے جو نکاح زمین پر قائم ہوگا وہ قیامت میں آخرت میں بھی باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ کو جائز کاموں میں سب سے ناپسندیدہ کام طلاق ہے۔

## [۴۴] خدا کی معرفت کے حصول کے لیے کتاب، سنت، صحبت صالح کی ضرورت نہیں

یہ کہتے ہیں: کوپرنیکس، کیپلر، گیلی لیو اور نیوٹن کا یہ اعتقاد کہ خدا نے کائنات کو ریاضی کے اصول کے مطابق منظم کیا ہے، لہٰذا خدا کا عرفان کتاب فطرت جو درحقیقت خدا کا کام [Work of God] اور دوسرا قرآن یعنی کتاب فطرت [Book of Nature] ہے، کتاب فطرت سے خدا کا عرفان کتاب لفظی [Word of God/Revelation] سے زیادہ بہتر طریقے سے ہوسکتا ہے۔ دوسرے معنوں میں انسان اپنے حواس خمسہ، عقل، وجدان، چھٹی حس، تجربے کے ذریعے حصول علم میں خود کفیل ہے اسے خدا کی معرفت کے حصول کے لیے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، پیغمبر کے اصحاب، علماء، صحبت صالح کسی کی ضرورت نہیں ہے، انسان براہ

راست کتاب فطرت کے ذریعے انسانی وسیلے کے بغیر صرف خدا کے عطا کردہ وسیلے فطرت کے ذریعے عرفان حق کا ادراک کرسکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے عبد ہونے، اپنی بنیادی حاجت تحدید اور بندگی کا انکار کر کے مذاہب سماوی کی بنیادی بصیرت کا بھی منکر ہو جاتا ہے، مگر اس انکار کا حسن اور جمال یہ ہے کہ وہ خدا تک بہتر رسائی کے نعرے کی گونج میں انکار کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ یہ رویہ انسان پرستی یعنی الوہیت انسانی کے مماثل ہے کہ انسان خدا ہے جو کسی کا محتاج نہیں، خود کفالت کی یہ منزل وہ ہے جہاں معرفت رب کے لیے انسان کی ذات ہی کافی ہے، لہٰذا جب انسان خود خدا بن جاتا ہے تو خدا کی معرفت کا سوال بھی اس کے لیے بے معنی، لغو اور مسترد کرنے کے لیے قابل ہو جاتا ہے۔

مغرب میں عیسائیت، مذہب، خدا، آخرت کا انکار انسان پرستی کے اسی طریقے سے کیا گیا کانٹ کا مضمون 'What is Enlightenment?' انسان پرستی کی فلسفیانہ بنیادوں سے آگاہ کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ: انسان وہ ہے جو علم میں خود کفیل ہے، وہ علم کے لیے اپنے اندرون سے رجوع کرتا ہے بیرون سے نہیں، وہ وحی، پادری اور ڈاکٹر سے ہدایت نہیں لیتا، وہ ہدایت کے لیے کسی کا محتاج نہیں، خارجی ذرائع علم سے انکار کرنا ہی انسانیت کا تقاضہ ہے، روشن خیالی اسی لمحے، اسی تصور اسی فکر اسی جستجو کا نام ہے، جب انسان نے خارجی ذرائع سے علم حاصل کرنے کو ترک کر دیا اور حصول علم، ہدایت، رہبری، روشنی کے لیے خود اپنے آپ پر انحصار کیا۔ اس رویے کے نتیجے میں مغرب میں معاشرہ اور تہذیب جو پہلے خدا مرکز [Theocentric] تھے اچانک انسان مرکز [Humancentric] ہو گئے۔

مارٹن لوتھر کی پروٹسٹنٹ تحریک اصلاح نے 'خدا مرکز' کائنات کے 'انسان مرکز' کائنات میں تبدیلی کا مذہبی جواز پیش کیا، انسان کی علم میں خود کفالت کا دعویٰ وحی کے وسیلے کا انکار تھا، یعنی کتاب اور نبوت اور نبوت سے فیض یاب ہونے، نفوس قدسیہ جبکہ وسیلوں کا اقرار اور ان کی ضرورت کا احساس عبدیت کا تقاضا اور ان پر ایمان لانا انسان کی تحدید کا اقرار ہے، وسیلۂ کتاب و نبوت کا اقرار عین بندگی ہے اور اس کا انکار اپنے خدا ہونے کا اعلان ہے۔ جدیدیت کا بنیادی عقیدہ انسان کی خدائی کا اقرار ہے، تحریک اصلاح واحتجاج کے ذریعے مارٹن لوتھر نے انسان پرستی اور سرمایہ داری کے جدید مذہب کا مذہبی تعقل بیان کر کے جدیدیت کو قوت مہیا کی۔ ان کے نزدیک جو دنیا میں کامیاب ہے وہی آخرت میں کامیاب ہے، شریف آدمی وہ ہے جو امیر آدمی ہے، دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب بادشاہ ہے، لہٰذا بادشاہ ہی ٹھیک ہے، وغیرہ وغیرہ

مطالعہ کتاب

پروفیسرڈاکٹرمحمدالغزالی ☆

# مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرولی اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

تألیف مفتی محمد رضوان

مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۲ء۔۱۹۴۴ء) ایک غیر معمولی دور کے ایک منفرد شخص تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے ماحول سے کبھی مطمئن ہو کر نہیں بیٹھے۔ خود یہ صفت ہی ایک شخص کو غیر معمولی آدمی بنا دیتی ہے کیوں کہ حاضر و موجود پر مطمئن نہ رہنا ہی انسان کو بہتری کی کوشش پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ پہلے تو مولانا نے اپنے آبائی سکھ مذہب کو خیر باد کہا اور اسلام کا راستہ اپنایا۔ اس راہ میں پامردی سے مشکلات برداشت کیں۔ اپنے آبائی مذہب کو ترک کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ایک نئی زندگی کی بنیاد ڈالنا اور ماضی سے بالکل آزاد ہو کر مستقبل کی تعمیر کرنا ایک غیر معمولی ہمت، استقامت اور صبر کا کام ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی ان اوصاف کی بناء پر بھی قابل احترام ٹھہرتے ہیں لیکن آگے چل کر بھی انہوں نے زندگی کے ہر موڑ پر نئے نئے راستے اپنانے کی کوشش کی۔ دار العلوم دیوبند سے تعلیم مکمل کر کے کچھ عرصہ اس ادارہ سے وابستہ رہے اس دوران ایک مجلّہ بھی 'الأنصار' کے نام سے نکالتے رہے۔ پھر وہاں کے ماحول کو بھی اپنے لیے محدود سمجھ کر نکل پڑے اور قرآن کریم کے پیغام کو تعلیم یافتہ افراد میں پھیلانے کا ارادہ باندھ کر دہلی میں جا بیٹھے اور 'نظارۃ المعارف القرآنیہ' کے نام سے ایک ادارہ قائم کر ڈالا۔ کچھ عرصہ بڑے جوش و خروش سے اس کام پر لگے رہے اور اپنے مخصوص ذوقِ ولی اللّٰہی کے مطابق قرآن کے پیغام کو ایک عملی انقلابی منشور کی شکل میں جدید تعلیم یافتہ افراد کے دل و دماغ میں اتارنے کی کوشش کرتے رہے۔ جلد ہی ہندوستان کے محکوم ماحول میں گھٹن محسوس کر کے بلاد اسلام کا سفر اختیار کیا۔ کابل، ترکی، حجاز کے طویل اسفار میں اپنی بے چین طبیعت کی تسکین کے لیے اپنا پسندیدہ قرآنی انقلابی پیغام ان ممالک میں ان لوگوں کو سمجھاتے رہے جو ان کی باتیں سننے پر آمادہ ہوں۔ اسی تگ و دو میں روس جا پہنچے،

---

☆ پروفیسر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
جج شریعت اپیل بنچ، سپریم کورٹ آف پاکستان، اسلام آباد

روس جانے کا خیال شاید انہیں اس بناء پر آیا ہوگا کہ ایک طاقتور ریاست جو بظاہر ایک انقلابی نظریہ کی علمبردار بنی ہوئی ہے، ممکن ہے کہ یہ طاقتور ریاست برطانوی سامراج سے ہندوستان کی آزادی کی کوشش میں مددگار ہو۔ بہرحال اپنے اسی جذبہ کی تسکین کرتے کرتے خود مارکسزم کی نئی چکا چوند سے مرعوب ہوگئے۔ یہاں تک کہ اپنے کو کمیونسٹ مسلمان کہہ ڈالا۔ ان کو اپنی کوششوں میں کامیابی تو کیا ہوتی کہ ایک اسلام دشمن سامراج کے خلاف وہ اس سے بڑے اسلام دشمن سامراج سے مدد کے متمنی تھے۔ تمنا اور شوق کے جذبات نے ان کی نظر سے روس کی اپنی سامراجی حیثیت بھی اوجھل کیے رکھی اور روسی ریاست کے مارکسی نظریۂ حیات کے اسلام سے واضح تضادات یا تو انہیں نظر نہ آ سکے یا انہوں نے کسی مصلحت سے ان کو نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔

بہرحال ان گزارشات کا مقصد مولانا عبید اللہ سندھی کی شخصیت کو صحیح تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرنا ہے۔ کسی انسان کے خیالات کے بارے میں اس کی مجموعی شخصیت کو نظر انداز کر کے کوئی متوازن اور منصفانہ رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے انفرادیت سے نوازا ہے، ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ بھی الگ ہے۔ **کلھم آتیہ یوم القیامۃ فردا** ۔کوئی شخص لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہے۔ کائنات کے سب سے بڑے معلّم ہادیِ عالم ﷺ نے اپنے کامیاب ترین نظام تربیت میں اپنے ہر شاگرد کی انفرادیت کا پورا احترام قائم رکھا تھا اور ہر فرد کی اندرونی صلاحیتوں کو اس طور پر ابھارنے میں آپؐ کامیاب ہوئے تھے کہ اس کی شخصیت کا خاص رنگ پھیکا نہیں پڑنے پایا۔ اجتماعی نظام میں سب کو پرونے کے ساتھ ساتھ ہر ایک کی انفرادی شخصیت کو مکمل طور پر پھلنے پھولنے کے آزادانہ مواقع آپؐ نے فراہم فرمائے۔

اس بنیادی حقیقت کو سامنے رکھیں تو ہمارے لیے کیسے روا ہے کہ ہم ایک ہی چوکھٹہ میں ہر تصویر کو لگانے کی کوشش کریں؟ ہر فرد پر اپنا پسندیدہ پیمانہ لاگو کر کے اس کو مقبول یا مردود ٹھہرانے لگیں؟ یہ بات بھی ذہن سے کبھی اوجھل نہیں رہنی چاہیے کہ انسانوں کے افکار و اعمال کا آخری اور قطعی فیصلہ ابھی ہونا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت سے ہونا ہے۔ لہٰذا ہمیں افراد کے بارے میں اپنی رائے کے اظہار میں بہت محتاط رہنا چاہیے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد اصل موضوع کی طرف ہم آتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب 'مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ' راولپنڈی کے ادارہ غفران کے

نگران مفتی محمد رضوان صاحب کی تصنیف ہے۔مفتی صاحب کچھ عرصہ سے ایک ماہانہ رسالہ'التبلیغ' کے نام سے بھی شائع کر رہے ہیں جو مفید دینی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، اگر چہ فنی طور پر اس کی ترتیب وتدوین ہر شمارہ کو دیکھ کر اصلاح طلب معلوم ہوتی ہے۔اسی ادارہ سے مختلف دینی مسائل پر مفتی صاحب کی مرتب کردہ دیگر مطبوعات بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔

اگر چہ اس کتاب کے عنوان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار کا تحقیقی مطالعہ یا ان کے نام پر قائم تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے نظریات کا کوئی تجزیہ کیا ہے لیکن جیسا کہ خود مصنف نے مقدمہ میں بتا دیا ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے دراصل مولانا عبید اللہ سندھی کے ہم عصر ممتاز علماء کی ان آراء کو جمع کر دیا ہے جن میں مولانا سندھی کے قرآن کریم سے طرز استدلال اور طریقہ استنباط کا محاکمہ کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ کچھ دیگر حضرات کی تحریریں بھی انہوں نے شامل کی ہیں جن میں مولانا سندھی کے اشتراکی رجحان پر تنقید کی گئی ہے۔لہٰذا یہ کتاب خود کوئی ''تحقیقی مطالعہ'' تو نہیں ہے مگر ''تحقیقات کا ایک مطالعہ'' ضرور ہے اور بلاشبہ ایک مفید مطالعہ ہے۔انہوں نے یقیناً یہ قابل قدر کوشش کی ہے کہ ماضی قریب کے جلیل القدر علماء کی آراء کو بڑی محنت کر کے یکجا کر دیا اور آج کے طالب علم کو یہ بڑی سہولت فراہم کر دی کہ وہ قرآن کے بارے میں مولانا عبید اللہ سندھی کے خیالات کو یک طرفہ طور پر قبول کر لینے کی بجائے ان خیالات کو مستند علماء کرام کی آراء کی روشنی میں پرکھ سکے اور اگر ان کے استنباط کردہ افکار میں کوئی جھول ہے یا مقررہ اصولِ استنباط سے انحراف ہے تو وہ اس کے سامنے واضح ہو جائے۔اس کے ساتھ ساتھ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے افکار کی یک طرفہ توجیہ کرتے ہوئے مولانا سندھی نے جو فکر ولی اللّٰہی کو اشتراکی لبادہ پہنانے کی کوشش کی ہے اس پر تنقیدی تبصرے اور فتوے بھی اس کتاب میں جمع کیے گئے ہیں۔اس طرح اس موضوع پر کام کرنے والوں کو متفرق مآخذ میں سر کھپانے کی زحمت سے مصنف نے بچا لیا ہے۔اس بناء پر مفتی محمد رضوان صاحب کی یہ تصنیف یقیناً افادیت کی حامل ہے۔

زیر نظر تصنیف میں دور حاضر کے ممتاز ترین علماء کی وہ تحریریں جمع کی گئی ہیں جن میں انہوں نے مولانا عبید اللہ سندھی کے دینی افکار پر عموماً اور قرآن کی بعض آیات کی مخصوص طرز کی تفسیر پر خصوصاً گرفت کی ہے۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے افکار کو اپنے مخصوص ''انقلابی'' سانچہ میں ڈھالنے

کی کوشش پر اکثر علماء کرام نے مولانا عبیداللہ سندھی پر تنقید کی ہے۔ان علماء کرام میں حکیم الأمت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی جلیل القدر شخصیت بھی شامل ہے جن کا مولانا سندھی کے تفسیری خیالات کے موضوع پر ایک خاص رسالہ بعنوان ''التقصیر فی التفسیر'' بہت عرصہ پہلے کہیں شائع ہوا تھا اور ناپید تھا۔مفتی محمد رضوان صاحب نے بڑی کوشش کر کے وہ رسالہ حاصل کیا اور اس کو اپنی تصنیف کی زینت بنایا۔اس رسالہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک ایک آیت کو لے کر، جس پر مولانا عبیداللہ سندھی نے تفسیر بالرأی کا آزادانہ استعمال کیا تھا، اصول تفسیر کی روشنی میں محققانہ کلام کیا اور واضح کیا کہ نہ صرف اصول تفسیر جن پر علماء امت کا اجماع رہا ہے، ان کی صریح خلاف ورزی مولانا عبیداللہ سندھی سے بار بار سرزد ہوئی ہے بلکہ خود عربی زبان، جس کے قواعدِ لغت صدیوں میں منقح ہو چکے ہیں، ان تأویلات کا ساتھ نہیں دیتے۔مجموعی طور پر جو رجحان مولانا عبیداللہ سندھی کی تأویلات پر غالب نظر آتا ہے، وہ اس دور کی ایک عام ذہنی بیماری کی پیداوار ہے، وہ بیماری یہ ہے کہ جدید افکارِ مغرب جن کا دنیا میں چلن نظر آیا ان حضرات کو مرعوبیت میں مبتلا کرتا گیا۔ چوں کہ یہ حضرات اپنی ذہنی مرعوبیت کے باوجود بہرحال باحمیت اور پرجوش مسلمان بھی تھے، انہوں نے ان جدید افکار کی سند قرآن سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔بعض حضرات تو اس بیماری کا اس حد تک شکار ہوئے کہ انہوں نے معجزات کی بھی وہ تأویل کرنے کی سعی کر ڈالی جو مغربی ذہن کو قابل قبول ہو یا طبعی علوم کی تنگیوں میں سما سکتی ہو۔مولانا تھانویؒ نے جن آیات کی تأویل کرنے پر مولانا سندھی کی گرفت کی اور ان کو اصول تفسیر سے متعارض ثابت کیا وہ کم وبیش اسی ذہنی رویہ کی پیداوار ہیں۔

مولانا تھانویؒ کے علاوہ اس تصنیف میں جن علماء کرام کے تنقیدی مضامین اور تبصرے شامل ہیں ان میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا أبوالحسن علی ندویؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ جیسے بلند پایہ علماء شامل ہیں۔

ان تمام حضرات کے ناقدانہ تبصروں کا مرکزی خیال یہی ہے کہ قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کے الفاظ ہی نہیں معانی اور دلالتوں کی بھی حفاظت کا انتظام من جانب اللہ کیا گیا ہے اور یہ انتظام تا قیامت کیا جاتا رہے گا۔اس کے نزول کے مقاصد، اس کے اصولِ عقائد، اس کے واضح

احکام، اس کی اخلاقی ہدایات اور اس کا روحانی پیغام ایسی محکم بنیادوں پر قائم ہے کہ کسی انسانی تصرف سے اس محفوظ قلعہ کو کمزور نہیں کیا جا سکتا، چاہے یہ تصرف کسی ارادی تحریف سے کیا جائے یا نادانستہ اس کی آیات سے وہ مفہوم نکالنے کی کوشش کی جائے جو اس کو نازل کرنے والے کے مقصود کے خلاف ہو۔

مولانا عبید اللہ سندھی ایک مخلص، پر جوش مسلمان، اسلام اور مسلمانوں کے بظاہر بڑے خیر خواہ آدمی تھے جو ساری عمر اسی فکر میں پریشان رہے کہ مسلمان کیوں پستی اور زوال کا شکار ہیں اور آخر کیوں وہ اغیار کے محکوم بن کر بے کسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں؟ اس فکر نے انہیں ہمیشہ بے چین رکھا اور انہوں نے اپنی دانست میں امت کو حالتِ ادبار سے نکالنے کی ہر وہ کوشش کی جس کو انہوں نے درست سمجھا۔ یہ دھن اور یہ لگن اِن شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ضرور اپنا اجر حاصل کرے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی ہر بات کو درست بھی سمجھا جائے اور صرف اس لیے مان لیا جائے کہ وہ ایک پرخلوص جذبہ سے بات کہہ رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام ہم تک اسی لیے صحیح حالت میں پہنچ سکا ہے کہ علماء کرام نے ہمیشہ یہ ذمہ داری ادا کی ہے کہ امت کو تحریفات اور غلطیوں سے محفوظ رکھا جائے اور ہر شخص کی ہر بات کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے، صحیح اور سقیم، حق اور باطل، کھوٹے اور کھرے میں تمیز کی جائے۔ علماء کرام نے اس طرح اس دین کے بنیادی سرچشموں قرآن وسنت کی بالادستی کو ہمیشہ قائم رکھا اور ہر طرح کی کج روی اور گمراہی کے دروازے بند کرتے رہے۔

علماء کرام نے مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار پر جس طرح گرفت کی اور ان کی کمزوریوں کو واضح کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا ایک اور زندہ ثبوت فراہم ہوا ہے کہ

"**یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین**" اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ مولانا عبید اللہ سندھی کو کس زمرہ میں شمار کرے گا! ممکن ہے ان کے خلوص کو دیکھ کر ان کی لغزشوں سے درگزر کیا جائے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ یہ امت دینِ حق اور صراط مستقیم پر علماءِ ربانیین کی ان بروقت کوششوں کے طفیل ہی قائم رہی ہے اور یہ ایک خدائی انتظام ہے جو تا قیامت جاری رہے گا۔

تبصرۂ کتب مدیر

# 'سرمایہ دارانہ نظام: ایک تنقیدی جائزہ'

## زیرنگرانی: ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

کراچی میں ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب اس حلقۂ فکر کے بانی ہیں جو اپنی اصل میں مغربی فکر وتہذیب خصوصاً سرمایہ دارانہ نظام کا مخالف وناقد ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی سوچ اچھی ہے لیکن بدقسمتی سے انہیں کوئی اچھا پبلشر اور ایڈیٹر نہیں ملا جو ہمارے زمانے کی (جو پروپیگنڈے، ایڈورٹزمنٹ اور مارکیٹنگ کا زمانہ ہے) ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اسی حلقے کے سید خالد جامعی صاحب نے ماہنامہ 'ساحل' نکالا تو وہ اپنے افکار پھیلانے میں نسبتاً زیادہ کامیاب ہوئے اگرچہ اسلوب ان کا بھی ادق اور غیرعوامی تھا اور پرچہ بھی زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔

ہم نے اس حلقۂ فکر کا لٹریچر تلاش کرنا چاہا اور خود رابطہ کیا اور ڈھونڈا تو ان کی دو کتابیں ہاتھ آئیں جن میں سے ایک کا تعارف ہم اپنے قارئین سے کرا رہے ہیں۔

'سرمایہ دارانہ نظام: ایک تنقیدی جائزہ' کے مرتب مولانا محمد احمد حافظ ہیں جب کہ ادراتی بورڈ میں جاوید اقبال، سید محمد یونس قادری، زاہد صدیق مغل اور امین اشعر شامل ہیں۔ کتاب مرتب کے پیش لفظ اور ڈاکٹر صاحب کے مختصر مقدمے کے بعد چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب 'سرمایہ داری کا تاریخی پس منظر' ہے جس میں کاشف شیخ، علی محمد رضوی اور ریحان عزیز صاحب کے تین مضامین ہیں (ایڈیٹنگ کا حال اس سے واضح ہے کہ فہرست میں مضامین کے آگے ان کے مصنف کا نام ہی نہیں دیا گیا، نیز صفحہ نمبر عربی ہندسوں میں دیے گئے ہیں جو پاکستان میں مروج ہی نہیں) باب دوم کا موضوع 'سرمایہ دارانہ افکار ونظریات' ہے جس میں ڈاکٹر عبدالوہاب سوری، زاہد صدیق مغل، علی محمد رضوی، محمد احمد حافظ اور جاوید اقبال صاحب کے پانچ مضامین ہیں۔ باب سوم کا موضوع ہے 'سرمایہ دارانہ معیشت کیا ہے؟' اور اس میں چار مضامین ہیں۔

باب چہارم 'سرمایہ داری اور سائنس' پر ہے جس میں ذیشان ارشد صاحب کے دو مضامین 'وحی، سائنس اور سرمایہ داری' اور 'ٹیکنو سائنس۔ ایک تجزیہ' شامل ہیں۔ باب پنجم 'سرمایہ دارانہ تنظیم

اقتدار' پر ہے جب کہ باب ششم 'خصوصی مطالعہ' کے عنوان سے ہے جس میں ڈاکٹر انصاری اور علی محمد رضوی صاحب کے مضامین ہیں۔ کتاب کے آخر میں زاہد صدیق مغل صاحب نے کثیر الاستعمال سرمایہ دارانہ اصطلاحات کے مفاہیم کی وضاحت کر دی ہے۔

کتاب نہایت قیمتی لوازمے پر مشتمل ہے اور اس کی حیثیت سرمایہ دارانہ نظام کی تاریخ، معاشرت، معیشت، اقدار اور نظریات کی تفہیم پر مبنی قیمتی دستاویز کی ہے۔ ہمارے بس میں ہو تو ہم اسے پاکستانی جامعات کے شعبہ ہائے بزنس، اکنامکس، کامرس اور فنانس وغیرہ کے لیے لازمی قرار دے دیں کیونکہ اس وقت ان شعبوں میں جو نصاب پڑھایا جا رہا ہے وہ صرف مغربی علوم و اسلوب کی نمائندگی کرتا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر طلبہ کے سامنے آ ہی نہیں پاتا۔ ستم یہ ہے کہ اساتذہ بھی اس سے نابلد ہوتے ہیں۔ اسلامیت کا تقاضا یہ ہے کہ طلبہ کو اسلام کی معاشی تعلیمات تفصیل سے پڑھائی جائیں اور تقابلی مطالعے کے طور پر مغربی سرمایہ دارانہ نظام بھی پڑھایا جائے اور پھر دونوں کے درمیان تقابلی مطالعہ ہو لیکن 'اسلامی' جمہوریہ پاکستان میں نظام حکومت اور نظام تعلیم چونکہ ابھی تک مغرب سے درآمد شدہ ہوتا ہے اور حکمران ہی نہیں ہمارے پروفیسرز اور ماہرین تعلیم بھی ذہنی اور فکری غلامی میں مبتلا ہیں اور مغرب پرستی معروضیت پر غالب ہے لہٰذا علوم کے کسی شعبے میں بھی اسلامی نقطۂ نظر پڑھایا ہی نہیں جاتا اور جو ایسا کرنے کی کوشش کرے وہ زیر عتاب آتا ہے۔

ان حالات میں اللہ کا عذاب کیوں نہ آئے؟ اور اسلامی اصول واقدار مٹ کیوں نہ جائیں؟ فوری اور بنیادی ضرورت اس بات کی ہے کہ سارے علوم کی اسلامی تناظر میں تشکیل نو کی جائے اور نصابات ونصابی کتب از سر نو مدون کی جائیں۔ لیکن یہ کام کون کرے؟ حکمران مغرب کے گماشتے ہیں اور دینی جماعتوں اور اداروں کو اس کام کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں اور وہ بہت سے دوسرے دینی کاموں میں مصروف ہیں مثلاً الیکشن لڑنا، مدرسے چلانا، تبلیغ کرنا وغیرہ۔

۲۸۷ صفحات کی یہ کتاب (طبع مئی ۲۰۰۹ء) الغزالی پبلی کیشنز، ۴۱سی، بلاک ۷، فیڈرل بی ایریا اور اسلامی کتب خانہ، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی (021-4927159) سے منگوائی جا سکتی ہے اس پر قیمت درج نہیں۔

تبصرۂ کتب مدیر

# سلفی مدارس کولسان القرآن سے محروم نہ کریں

## تالیف مولانا محمد بشیر، اسلام آباد

مولانا محمد بشیر صاحب سیالکوٹی ثم اسلام آبادی طویل عرصے سے پاکستان میں عربی زبان کی تدریس سے متعلق اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں۔ انہوں نے صرف ونحو کی تدریج وتسہیل اور طلبہ میں عربی کے فہم کے ساتھ ان میں تقریر وتحریر کی صلاحیتیں پیدا کرنے کے لیے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چونکہ ان کا تجزیہ اور اپروچ حقائق پر مبنی ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ ملک بھر کے دینی مدارس میں ان کی کتابیں کثرت وسرعت سے رائج ہو جاتیں اور اس کے اچھے نتائج سے دینی حلقے مستفید ہوتے لیکن بقول اقبال

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

لہٰذا اکثر دینی مدارس وہی گردانیں رٹنے کے پرانے طریقے پر کاربند ہیں اور اصلاح کو قبول کرنے میں مزاحم ہیں۔ مسلک پرستی کی فضا اور بعض ناشرین کے مالی مفادات بھی ان کی کتابوں کے دینی مدارس میں رائج ہونے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

مولانا بشیر صاحب ذاتی طور پر معتدل مزاج سلفی ہیں۔ اس لیے انہیں سلفی مدارس سے زیادہ گلہ ہے کہ وہ ان کی اصلاحی تجاویز واقدامات کی حمایت کیوں نہیں کرتے جس کا اظہار اس کتابچے میں ہوا ہے۔ ہماری رائے ہے کہ مولانا بشیر صاحب مسالک سے بالاتر ہو کر عربی تدریس کی اصلاح کے مسئلے کو اٹھائیں اور دوسرے وفاقوں کے بڑے علما اور دینی مدارس سے رابطے کریں تو شاید اس کے مفید اثرات نکلیں۔ ۸۸ صفحات کا یہ کتابچہ دار العلم، 699 آب پارہ مارکیٹ، اسلام آباد (051-2875371) سے مل سکتا ہے، اس پر قیمت درج نہیں۔

## کس قیامت کے یہ نامے

محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگست ۲۰۱۵ء کے 'البرہان' میں برادرم خالد جامعی صاحب کا آپ کے نام خط پڑھا۔ محمد ظفر اقبال صاحب کی نئی کتاب 'اسلام اور جدیدیت کی کشمکش' کے ضمن میں انہوں نے خاکسار کا محبت آمیز ذکر کیا ہے لیکن غالباً عجلت کے سبب خط میں دو غلطیاں راہ پا گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ خاکسار کو سابق کنٹرولر نیوز ریڈیو پاکستان لکھا گیا ہے، جب کہ وہ ڈپٹی کنٹرولر نیوز تھا۔ دوسرے راقم کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ اس نے پرویزیت پر جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک کتاب مرتب کی ہے۔ درحقیقت غامدی صاحب نے پرویزیت پر کوئی کتاب نہیں لکھی۔ انہوں نے غالباً ۱۹۸۹ء میں پرویز صاحب کی 'قرآنی' فکر پر ایک لیکچر دیا تھا۔ راقم نے اس لیکچر کا آڈیو کیسٹ سنا۔ ان کے دلائل نے اپیل کیا، اس لیے اسے Transcribe کر دیا جسے ۲۰۰۴ء میں دارالتذکیر، اردو بازار، لاہور نے کتابچے کی صورت میں 'پرویز صاحب کا فہم قرآن' کے عنوان سے شائع کیا۔ اس کتابچے میں راقم کا ایک مختصر عرض مرتب بھی شامل ہے جب کہ خورشید احمد ندیم صاحب نے اس پر ایک مبسوط اور فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے۔

خالد جامعی صاحب نے ظفر اقبال صاحب کے ان علمی منصوبوں کا بھی ذکر کیا ہے جو ان کی براہ راست نگرانی میں زیر ترتیب ہیں یا مستقبل میں منصۂ شہود پر آئیں گے۔ خاکسار کی دلی آرزو ہے کہ وہ ان کتابوں کا مطالعہ کر سکے لیکن بظاہر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ عمر نوح لے کر اس دنیا میں نہیں آیا ہے۔

خلوص کیش،

شکیل عثمانی
0334-5115424